قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر
کی
مختصر
سوانح

سیاسی کتابیں

قیمت سکۂ عثمانیہ

نمبر	نام کتاب	قیمت	نمبر	نام کتاب	قیمت
۱	پاکستان اور ہندوستان مجلد	عـ	۲۱	مشاہیر ہند	۱۲/
۲	دولت آصفیہ و حکومت برطانیہ	عہ ۸/	۲۲	مضامین نہرو	عـ ۸/
۳	جنگ ۱۹۳۹ء کیوں ہوئی؟ مجلد	عہ ۸/	۲۳	خطوط محمد علی	عـ ۸/
۴	جنگ روس و جرمنی	عہ ۴/	۲۴	سیاست ملیہ	سے ۱۲/
۵	قومیت اور بین الاقوامیت مجلد	عہ ۴/	۲۵	تاریخ مسلم لیگ	سے
۶	مضامین محمد علی حصۂ اول	سے ۱۲/	۲۶	تاریخ کانگریس	سے ۱۲/
۷	مضامین محمد علی حصۂ دوم	سے ۲/	۲۷	تاریخ مجلس اتحاد المسلمین	عہ ۸/
۸	اسلام کیسے شروع ہوا	عہ ۱۴/	۲۸	ترکی میں مشرق اور مغرب کی کشمکش	عہ ۸/
۹	میری کہانی جواہرلال نہرو مکمل	صہ	۲۹	مسلمانوں کا روشن مستقبل	سے ۱۲/
۱۰	تلاش حق (گاندھی) مکمل	سے ۱۲/	۳۰	سیاسی تقاریر نواب بہادر یار جنگ بہادر	عـ ۸/
۱۱	شہنشاہیت	عہ ۱۴/	۳۱	نازیت	عہ ۸/
۱۲	بین الاقوامی سیاسی معلومات	عہ ۲/	۳۲	مسلمانوں کی موجودہ سیاسی کشمکش اول دوم	۱۰/
۱۳	لینن	عہ ۸/	۳۳	بحر الکاہل کی سیاست	عہ ۱۴/
۱۴	مالیات عامہ	عہ ۴/	۳۴	کمال اتاترک	عہ ۱۴/
۱۵	اسٹالن	عہ ۱۴/	۳۵	ممالک اسلامیہ کی سیاست	عہ ۱۴/
۱۶	چنگاریاں	۱۵/	۳۶	مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ	عہ ۱۴/
۱۷	محمد علی جناح	عہ ۹/	۳۷	مسلمانان ہند کی سیاست وطنی	۲/۱۴
۱۸	جمہوریت اور آمریت	عہ ۱۴/	۳۸	انقلاب فرانس	عہ ۱۴/
۱۹	ڈی ویلیرا	عہ ۱۴/	۳۹	عہد حاضر کے بڑے لوگ	عہ ۸/
۲۰	مشاہیر عالم کی داستان مصیبت	عہ ۱۴/	۴۰	نہر سویز	عہ ۹/

از

عبدالرحمٰن سعید صدیقی بی۔ اے

ناشران

سید علی شبر حاتمی بی ۔ ایس ۔ سی (عثمانیہ)

(چودھری) محمد اقبال سلیم گاہندی

قیمت ۸ر

پہلا ایڈیشن دوہزار

جس کتاب پر

ناشران

سیّد علی شبّر حاتمی بی۔ ایس۔ سی عثمانیہ

و

چودھری اقبال سلیم گاہندری

کے

قلمی دستخط نہ ہونگے وہ مسروقہ سمجھی جائیگی۔

اکتوبر سنہ ۴۱ء

دستخط

قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کی یہ مختصر سوانحعمری مجموعہ تقاریر کیساتھ
شائع کرنیکے لئے چھپوائی گئی تھی۔ اور اسی غرض سے حضرت علامہ عبدالقدوس صاحب
الھاشمی الندوی سے مضمون "سحر بیان" بھی لکھوا کر اس کیساتھ شامل کیا گیا تھا لیکن بعض
ناگزیر مجبوریوں کی بناء پر تقاریر کی اشاعت میں تعویق پر تعویق ہوتی رہی۔ اور دوسری طرف
ہمارے ناظرین کا تقاضہ شدید تر ہوتا گیا۔ اس لئے ہم اسے الگ شائع کر رہے ہیں۔ اچھا تو یہی
ہوتا کہ یہ "گرمی کردار" "گرمی گفتار" کیساتھ آپکے سامنے آتی لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمانان
دکن کا یہ تقاضہ کہ وہ اپنے محبوب قائد کے حالات زندگی سے واقف ہونا چاہتے ہیں۔ کسی
طرح غلط نہیں ہے، اور ہمیں ان کے اس جذبہ کی قدر کرتے ہوئے سوانح کا حصہ پہلے شائع
کردینا ہی چاہئے۔ انشاءاللہ تقاریر کا مجموعہ بھی اب جلد ہی ہاتھوں میں آجائیگا۔ تو خریداروں
کیلئے ان دونوں کو اکٹھا کر دینا مشکل نہیں۔ طباعت و تقطیع میں کوئی فرق نہیں۔ پڑھنے میں جو
ترتیب قائم رہتی وہی ترتیب ہاتھوں میں آنے میں قائم رہتی ہے۔ اور بس!

سید علی شبر حاتمی بی ایس سی (عثمانیہ) چودھری محمد اقبال سلیم گاہندی

چند فروگذاشتیں

ہمیں افسوس ہے کہ بر وقت صحیح معلومات مہیا نہ ہونے کی بناء پر بعض اہم فروگذاشتیں قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر کی زیر نظر مختصر سوانح عمری میں رہ گئیں۔ جن پر کتاب کی طباعت کے بعد مجھے اطلاع ہو سکی۔ ہوا یہ کہ ہم اپنی ابتدائی معلومات پر بھروسہ کرتے ہوے تحریر کے کام کو ختم کر کے مسودہ پریس کے حوالہ کر چکے اور کتاب چھپ کر تیار بھی ہو گئی۔ اس وقت قائد ملت کے نامور خاندان سے متعلق قابل بھروسہ و مستند معلومات ملیں جن سے مقابلہ کرنے کے بعد پتہ چلا کہ بعض اندراجات کتاب میں غلط ہو گئے ہیں۔ ہو سکتا تھا کہ ہم دوسرے اڈیشن کے لئے اٹھا رکھتے لیکن غیرت و دیانت برداشت نہیں کر سکتی کہ ناظرین تک غلط معلومات پہنچا کر اپنے کو غیر ذمہ دار قرار دیں اس لئے ہم اپنی اس کمزوری کا اقرار کر کے حسب ذیل تصحیح کی طرف آپ کی

توجہ مبذول کراتے ہیں۔ بہتر ہو گا کہ قبل مطالعہ آپ تھوڑی تکلیف گوارا کر کے درست کر لیں۔ ہمیں حقیقتاً آپ کو تکلیف دیتے ہوئے دکھ ہو رہا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ ان الانسان مرکب من الخطار والنسیان۔

			غلط	صحیح
صفحہ	۲۲	سطر ۱۱	صوبہ بہار	صوبہ متحدہ
″	″	″ ۱۲	مندذری قبیلہ	انہی قبائل
″	۲۳	″ ۴	گیارہویں صدی ہجری اول	بارہویں صدی ہجری کے آخر
″	۲۴	″ ۱۵	۵ فروری	۳ فروری
″	۲۵	″ ۶	مدرسہ عالیہ	مفیدالانعام
″	۳۵	″ ۱۴	۱۲۰۰	بیس ہزار
″	۳۹	″ ۱۲	دو نوجوان بھانجوں	ایک نوجوان عزیز

سعید صدیقی

فہرس

صفحہ

قیادت ورہبری

خدمت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سید القوم خادمہم
کسی قوم کا سردار وہ ہوتا ہے جو ان سب کا خدمت گزار ہوتا ہے۔ خدمت گزاری
اور صرف اللہ جل جلالہٗ کی خوشنودی اور رضا کے لئے قوم کی خدمت گزاری
ہی وہ چیز ہے جس سے کوئی انسان بغیر کسی کے بنائے سید القوم بنجاتا ہے
اور قیادت ورہبری کا فریضہ اس پر عائد ہو جاتا ہے۔ اگر خدمت کا وقت
آئے اور کوئی شخص خدمت سے دریغ کرے تو نہ صرف یہ کہ وہ سید القوم کا
درجہ نہیں حاصل کرتا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ قدرت کی دی ہوئی قوتوں کی
توہین کا مرتکب ہونے کے ساتھ وہ اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے
ایک گنہگار ہو جاتا ہے کیا خوب کہا ہے دانشمند شیراز نے۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است وگر خاموش بنشینم گناہ است

انسان پر مختلف حیثیتوں سے مختلف قسم کے فرائض عائد ہوتے ہیں، ان ہی فرائض کی ادائی حقوق پیدا کرتی اور زندگی کو اپنے لئے اور دوسروں کے لئے مفید بنا دیتی ہے۔ مثلاً ہر اس شخص پر جو کسی گاؤں میں رہتا ہو یہ فرض آتا ہے کہ گاؤں کے کسی گھر میں اگر آگ لگ جائے تو اسے بجھانے میں گاؤں والوں کا ہاتھ بٹائے اور اسی فرض کی ادائی سے اسے یہ حق پیدا ہوجاتا ہے کہ ضرورت کے وقت گاؤں کے دوسرے باشندوں کو اپنی مدد کیلئے بلائے۔

باہمی تعاون اور حقوق و فرائض کا یہی وہ سلسلہ ہے جس سے انسانوں کا یہ عظیم الشان تمدن قائم ہے، اس طرح انسان پر انفرادی فرائض کی ادائی سے انفرادی، منزلی و خاندانی فرائض سے منزلی و خاندانی اور قومی و ملی فرائض کی ادائی سے قومی و ملی حقوق پیدا ہوتے ہیں اسکے بعد فرمان مصطفوی کے مفہوم پر غور کیجئے۔ جب کوئی شخص قوم و ملت کی خدمت گزاری کرے گا تو اس کے حقوق قوم و ملت پر پیدا ہوجائیں گے اور جب تک اس کے انفرادی و خاندانی مفاد پر قوم و ملت کے مفاد کو غلبہ حاصل نہ ہوگا، اس کے اعمال کا بڑا حصہ قوم و ملت کی خدمت کے لئے وقف نہ ہوگا۔

اُسے قوم وملت پر سرداری کے بزرگانہ حقوق حاصل نہ ہوں گے۔
یہ ایک کلیہ ہے اور اگر اس میں استثناء کی کوئی شکل ہو سکتی ہے تو شاید خاندانی جبروت اور عائلی تسلط کے علاوہ کوئی دوسری نہیں ہو سکتی۔ اگر اس غیر فطری اور ظالمانہ طریقہ سے قطع نظر کر کے دیکھئے تو آپ کو ہر چھوٹی بڑی جماعت میں سرداری و قیادت کا یہی ایک معین ضابطہ نظر آئے گا۔ قیادت و رہبری کا مرتبہ نہ تو خاندانی و وراثتی طور پر منتقل ہو کر کسی کو ملتا ہے اور نہ حسن وجمال، حسن و بیان، علم و فضل، سند و ڈپلوما، دولت زر کے ساتھ آتا ہے عمل مسلسل، اور خلوص نیت کے ساتھ خدمت قوم البتہ یہ مرتبہ عطا کر دیتی ہے۔

قائد اور اس کی قوم:-

انسان اپنے ماحول کی پیداوار ہوتا ہے۔ یا ماحول خود کسی صاحبِ عزم کی پیداوار ہے۔ یہ ایک پرانی اور دقیق بحث ہے اور علماءِ تاریخ و اجتماع نے اس بارے میں مختلف و متضاد نظریے پیش کئے ہیں لیکن بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرانہ طاقت کی معجزانہ کارفرمائیوں کے سوا باقی ہر جگہ لیڈر یا قائد اپنی قوم کی اجتماعی

ضمیر کا عکس ہوتا ہے لیکن افراد کی نفسیات خود قائد کی تعمیر ہوتی ہے اس طرح یہ سمجھئے کہ اذا اصلح القوم صلح الامیر۔ واذا فسد القوم فسد الامیر۔ ڈاکوؤں کا سرغنہ سب سے بڑا ڈاکو اور شریفوں کا سردار سب سے زیادہ شریف ہوتا ہے۔ البتہ جماعت کے کم شریف دماغوں کو بہت زیادہ شریف، اور کم درجہ ڈاکوؤں کو اعلیٰ درجہ کا ڈاکو بنا دینا اور ان کے اعمال و افکار پر اجتماعی منافع کے تصورات کو مستولی کر دینا صرف لیڈر کا کام ہوتا ہے۔

نکتہ چیں:۔

لیڈر نہ معصوم ہوتا ہے اور نہ انسانیت سے بلند و بالا کوئی ہستی اس لئے اس کے اندر جہاں قوم کی اجتماعی زندگی کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ وہاں قوم کے جماعتی ضعف اور خرابیوں کے دھبے بھی کچھ نہ کچھ ضرور ہوتے ہیں۔ ایک آرام طلب قوم اور متکلف جماعت کا لیڈر انتہائی خوبیوں کے باوجود اس درجہ کا جفاکش اور سخت کوش نہیں ہو سکتا۔ جتنا افریقہ کے بادیہ نشینوں کا سردار ہو سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح کسی ساہوکار جماعت کا لیڈر اگر کارل مارکس اور اینجلز کی طرح سے سوسائٹی کا ٹھکرایا ہوا مردود

نہ ہو تو مزدوروں کا لیڈر نہیں بن سکتا۔ اس کلیہ کے علاوہ لیڈر میں بھی تھوڑی بہت انسانی کمزوری ہوتی ہے۔ بحیثیت فرد کے اگر اس میں معصومیت کی تلاش کی جائے تو یقیناً اسکی کاوشوں سے جو فائدہ قوم اٹھا سکتی ہے وہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ غلامی ایک ایسا بوجھ ہے جس کے دباؤ سے انسانی جماعت کا شیرازہ ٹوٹ جاتا ہے اور افراد بکھرے ہوئے اوراق کی طرح پریشان ہوتے جاتے ہیں۔ ان میں سے جو افراد قوم کی جماعتی زندگی کا ساتھ نہیں دینا چاہتے وہ عموماً اپنی جماعت کے قائد یا لیڈر میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر عیب نکالا کرتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ رہبر قوم کو اس کی کمزوریوں سے واقف کرا کے اسکی اصلاح کریں اور نہ یہ مقصد ہوتا ہے کہ اس کی قیادت کو ختم کر کے اپنی قیادت کے ماتحت قوم کو سربلندی کی منزل مقصود تک پہنچائیں۔ کیونکہ وہ ایمانداری سے اس کا یقین رکھتے ہیں کہ باوجود ان کمزوریوں کے جو وہ رہبر قوم میں تلاش کر رہے ہیں جماعت کا قائد ان سے اور ان جیسے سینکڑوں افراد قوم سے زیادہ بہتر اور زیادہ صلاحیتوں کا مالک ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس کی چھوٹی سی چھوٹی غلطی پر انتہائی شدت کے ساتھ نکتہ چینی کرتے ہیں اور کم فہم افراد قوم کو

اس کے خلاف ورغلا کر اس رابطہ قومی سے الگ کرنا چاہتے ہیں
جس کا سر اقائد کے ہاتھ میں ہوتا ہے ایسے افراد قومی اجتماعیت کے
بے وقوف دشمن ہیں۔ وہ دشمنی کرتے ہیں لیکن یہ بھی نہیں سمجھتے کہ دشمنی
کر رہے ہیں۔ وہ خود رابطے سے الگ ہوتے ہیں یا اپنی کسی مجبوری کی وجہ
سے قومی رابطہ میں شریک نہیں ہو سکتے ان کی فطری بزدلی پر سکون
فضا میں کسی ہلکے تموّج کے تصور سے بھی کانپتی ہے لیکن وہ اپنی اس
کمزوری کو چھپانے کے لئے رہبر قوم کی ذات میں ڈھونڈ کر ایسے نفرت
انگیز عیوب تلاش کرتے ہیں جو دوسرے کم فہم لوگوں کو ورغلا کر
اُن کی صف میں لاسکے۔ شرابی شراب نہ پینے والے پر طعن
کر کے پہلے اسکی کوشش کرتا ہے کہ یہ تھوڑی سی شراب پی لے
جب وہ بدنصیب اس جال میں پھنس جاتا ہے تو دو چار دن تک
اسے مفت شراب دے کر عادی بنایا جاتا ہے لیکن اس کے بعد
ہی اس کی شراب خوری کی پوری تشہیر اسی شرابی کے ہاتھوں
عمل میں آتی ہے جس نے اسے سب سے پہلی مرتبہ شراب پلایا تھا۔
اور اپنی افسوسناک کمزوری کے لئے مجرموں کی بڑی تعداد میں
جواز کا فتویٰ تلاش کیا جاتا ہے۔ بالکل یہی کیفیت ان باغی انسان
کی ہوتی ہے جو اپنی قوم کے اجتماعی مفاد کا ساتھ نہ دینے کی کمزوری کو

لیڈر کے عیوب کی اشاعت میں چھپانا چاہتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا بیان غلط ہوتا ہے۔ بلاشبہ رہبر قوم کی ذات میں اگر وہ دس بیس فرضی عیوب نکالتا ہے تو دو چار دس حقیقی کمزوریاں بیان کرتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ حسن نیت اور جذبے کے ساتھ یہ سب کچھ ہوتا ہے وہ کیا ہے۔ اگر انسانوں کی کسی جماعت کے لئے فرشتوں کی معصوم دنیا سے جبرئیل امین علیہ السلام کو قیادت ورہبری کے فرائض انجام دینے کے لئے بھیجا جائے تو آپ یقین کیجئے کہ ایسے لوگ دوسرے ہی دن ڈیڑھ درجن سے زیادہ عیوب ان کی معصوم ذات میں بھی نکال دیں گے۔ اس لئے ایک لیڈر کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کی تنقید کو نہ سنے اور نہ اہمیت دے۔ بلکہ پوری کوشش کے ساتھ ایسے لوگوں کو دبا دینا اور کچل دینا ہر اس جماعت کا فرض ہے جو اپنے رابطہ کو مضبوط رکھنا چاہتی ہے

خلوص وللہیت :-

ماہرین اجتماع خصوصاً مسٹر گستاولیبان کا خیال ہے کہ ایک رہبر نفسیاتی کا اجتماع کا اچھا ماہر ہوتا ہے اس لئے وہ اپنی حرکات وسکنات میں وہ فنی مراعات ملحوظ رکھتا ہے جو اس کی قوم کے جذبات کو اسکی

طرف سے خراب نہیں ہونے دیتا۔ ممکن ہے کہ یہ خیال یورپ کے بازی گر لیڈروں کے لئے صحیح ہو اور لیڈری و قیادت کا بطور فن حصول اور اس کو بطور فن استعمال کرنا اہل یورپ کو اچھی طرح آتا بھی ہو۔ لیکن مشرق کی تاریخ خصوصاً اسلامی دور کی تاریخ ہمیں جو کچھ بتاتی ہے۔ اُسے سامنے رکھ کر ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ رہبری کی بازی گرانہ مشق جماعت کے قلوب پر تصرف پانے کے لئے کافی ہوتی رہی ہے بلکہ ہمیں نظر آتا ہے کہ مشرق میں عموماً ایسے بے غرض اور مخلص رہنما اکثر پیدا ہوتے رہے ہیں جن میں ہمیں عقل فتنہ پرور کی کارفرمائی سے زیادہ خلوص، درد، اور للہیت کام کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اکثر اہم مواقع پر مسٹر بیان کے قول کے بموجب مشرق کے لیڈر کو نفسیات اجتماع کی مہارت کے موجب جو عمل کرنا چاہئے ہمیں دکھائی دیتا ہے کہ مشرقی لیڈر کی للہیت اُسے ایسا کرنے سے روک دیتی ہے اور اس کے باوجود وہ نقصان مرتب نہیں ہوتا جس کا یقینی خطرہ ہمیں ماہرین نفسیات کی زبانوں سے معلوم ہوا تھا اس جگہ ہمارے رہبروں میں دماغ نہیں صرف دل کام کرتا ہے ہمارے ہاں تاثیر و تاثر کے لئے نفسیات کے قوانین نہیں بلکہ از دل خیزد و بر دل ریزد کا ضابطہ رائج ہے۔

رہبر یا قائد ایک ایسا موضوع ہے جس پر اردو زبان میں غالباً اب تک کوئی کتاب لکھی نہیں گئی۔ ضرورت ہے کہ اچھی تفصیلی کتاب صرف قائد کی سیرت اور اس کے کردار کی تحلیل و تنقید کے اصول پر لکھی جائے لیکن اس کا نہ یہ موقعہ ہے نہ گنجائش۔ چونکہ آئندہ صفحات ایک رہبر قوم یا قائد ملت کی زندگی کے چند واقعات پر مشتمل ہیں اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ انتہائی اختصار کے ساتھ قائد کی قائدانہ زندگی سے متعلق چند باتیں گوش گزار کر دی جائیں۔ اس تحریر کی روشنی میں سیرت کے صفحات سے آپ وہ فائدہ اٹھا سکیں گے جو لکھنے والے اور شایع کرنے والے کے مدنظر ہے۔ ورنہ کسی شخص کی زندگی میں کب پیدا ہوا۔ کہاں تعلیم پائی۔ باپ دادا کا نام کیا تھا دوسروں کے لئے کیا فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ فقط

لسان الامت نواب بہادر یار جنگ بہادر

لسان الامت

از

جناب مولنا سعید صدیقی صاحب بی،اے

لسانُ الامت

ہندوستان اور اس کے دیگر حصص میں مسلمانون کے عہد حکومت کی تاریخ مختلف نقاط نظر سے گو شاندار سہی، لیکن اس کے نتایج کا سلبی پہلو اس حیثیت سے قابل عبرت ہے کہ مسلمانان ہند کا ماضی ان کی تنظیم اور شیرازہ بندی کے ابواب کا حامل نہیں ہے۔ نشۂ حکومت نے ارباب سلطنت کو عاقبت بینی کا موقعہ نہیں دیا چنانچہ اس وقت ملت کی تعدادی اقلیت اور معاش کے مختلف ذرائع پر قبضہ وتصرف کے مسائل کسی ذہن میں پیدا نہیں ہوئے جہاں تک اجتماعی حیثیت سے مسلمانون کے استحکام واستقرار کا تعلق ہے سب سے پہلے یہ خیال خاندان مغلیہ کے نامور تاجدار اور اسلام کے سچے درد مند حضرت عالمگیر رحمتہ اللہ علیہ کے ذہن میں پیدا ہوا لیکن اورنگ حکومت کے لئے بھائیوں کی رقیبانہ کشمکش اور مہمات

سلطنت کی گتھیوں نے اس مردِ حق آگاہ کو بھی ملت اسلامیہ کی خاطر خواہ خدمت کا موقعہ نہیں دیا حتی کہ ۱۸۵۷ء کے قیامت خیز ہنگامہ کے بعد مسلمانانِ ہند نے اپنی اجتماعی حیثیت کو خطرات سے دوچار دیکھا اور پہلی دفعہ عام طور پر ان میں اپنی بے بسی کا شعور پیدا ہوا اور نتیجتہً شیرازہ بندی کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ شمالی ہند کی تاریخ میں سر سید احمد خاں مرحوم کی ساری زندگی ان ہی کوششوں کی نذر ہوئی اور ہندوستان میں جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے حکومت کی جگہ قیادت نے حاصل کرلی۔

سرزمین دکن میں بھی مسلمان فاتح کی حیثیت سے آئے اور عرصہ تک انھوں نے اپنے لئے کوئی خطرہ محسوس نہیں کیا لیکن بہمنی سلطنت کے قیام کے بعد مفکرین نے تعدادی اقلیت کے عواقب کو محسوس کیا چنانچہ بانیانِ سلطنت امرائے صدہ اور چند صوفیائے کرام جن کی اخلاقی اور روحانی تائید، تاسیس سلطنت میں شامل تھی اس احساس کے قائد تھے چنانچہ حضرت شیخ سراج جنیدی رح اور حضرت خواجہ بندہ نواز رح پہلے صوفی ہیں جنھوں نے مسلمانوں کی قلت اور بے مائگی محسوس کی اور حتی المقدور ان کی بقا اور استحکام میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن زمانۂ مابعد میں اس تصور کی اہمیت محسوس کرنے میں با اقتدار مسلمانوں نے بہت کم اپنی بصیرت کو استعمال کیا جس کا ردِ عمل عصرِ حاضر کے مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی ان کے حاکمانہ اقتدار و قوت کو متاثر کر رہا ہے۔

حق کے مقابلہ میں باطل کی ستیزہ کاری قدرت کا ازلی قانون ہے

لیکن دردناک سماں تو اس وقت کا ہوتا ہے جب کہ افراد ملت غفلت شعاری اور باہمی افتراق وتشتت کے باعث اس مقدس منصب کی اپنے ہاتھوں توہین کرتے ہیں جس پر وہ منجانب اللہ مامور ہیں ایسے نازک وقت میں غیرت حق کو جنبش ہوتی ہے اور ایک مرد مجاہد قیادت پر فائز ہو کر ملت کی خدمت انجام دینے کے لئے سر بکف میدان میں آجاتا ہے۔ ملت اسلامیہ دکن کی گراں خوابی اور سیاسی انقلابات سے ان کی بیگانگی ہندوستان کے طول وعرض میں ضرب المثل تھی۔ ملت بیضاء کو ٹکڑوں ٹکڑوں میں بانٹا جا رہا تھا کہ امرائے دکن کے ممتاز طبقہ سے ایک درد مند امیر ابن امیر نواب بہادر یار جنگ بہادر ایداللہ ونصرہٗ کو خدا نے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے کھڑا کر دیا کسے خبر تھی کہ ایک ابن امیر جسے امارت نے اپنی آغوش میں پرورش کیا ہو عیش وعشرت کے گہوارہ میں ناز ونعم سے پالا ہو، جس نے راحت کے سوا کلفت کی صورت نہ دیکھی ہو جس نے آنکھیں کھول کر دولت کی جھنکار میں ہوش سنبھالے ہوں اُسے ایک دن سیاست کی سنجیدہ اور خشک دنیا میں حیدرآباد کے محدود رقبہ میں نہیں ہندوستان کی فضائے بسیط میں منصب قیادت کے ذمہ دارانہ بار گران کو سنبھالنا ہے جہاں گھر کی نرم وگرم سیج کو چھوڑ کر وادی پر خار میں برہنہ پا قدم دھرنا ہوگا۔ جہاں صبر وتحمل کے کڑے امتحان دینے ہونگے خدمت کے صلہ میں لومتہ لائم اور تلخ وتند آوازے سننے پڑیں گے بہرحال۔ ان صفحات

میں اسی اجمال کی تفصیل پر روشنی ڈالتے ہوئے قائد ملت کے حالات زندگی نہایت اختصار کیساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے جو یقین ہے کہ قارئین کے لئے سبق آموز بھی ہونگے اور قابل تقلید بھی۔

حالات زندگی

دُرانی نسل کے خاص پٹھان جن کو عرف عام میں ہی پٹھان بھی کہا جاتا ہے لودھی اور سوری خاندان کے عہد حکومت میں افغانستان سے نکلکر سرزمین ہند میں داخل ہوئے چونکہ پٹھانوں کی یہ جماعت بارہ قبائل پر مشتمل تھی اس لئے ہندوستان کے جن حصوں میں یہ آباد ہوئے۔ بارہ بستی کے نام سے مشہور رہیں۔ اس قسم کی بستیاں صوبہ بہار اور جے پور میں آباد ہوئیں۔ ریاست جے پور کے پٹھانوں کا تعلق مندوزئی قبیلہ سے تھا۔ جن میں سے اکثر عقیدۃً اہل سنت و الجماعت اور بعض مہدوی تھے۔ جے پوری قبائل کا ایک گروہ جو دونوں قسم کے فرقوں پر مشتمل تھا نواب میر نظام علیخاں (نظام الملک آصفجاہ ثانی) کے عہد میں بمقام حیدرآباد وارد ہوا۔ پیشہ کے اعتبار سے یہ گروہ تاجر تھا جس کے تمام افراد نیل کے رنگ اور کپڑے کی کامیاب تجارت کے باعث بڑی باعزت زندگی بسر کرتے تھے۔

سلسلۂ نسب

نواب بہادر یار جنگ بہادر کے جدِ اعلیٰ مہدوی گروہ کے ایک مرتاض بزرگ دولت خاں جو بعد میں نواب دولت خان ہوئے گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں ریاست جے پور سے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ حیدرآباد تشریف لائے۔ آپ بھی کپڑوں اور نیل کے رنگ کی تجارت کرتے تھے۔ نواب دولت خاں مذہبًا ایک مضبوط عقیدہ بزرگ تھے جن کے حالات زندگی میں ایمان راسخ کی عجیب وغریب مثالیں ملتی ہیں۔ پیشہ کے اعتبار سے گو آپ تاجر رہے لیکن نسلًا سپاہی تھے، چنانچہ اپنے سپاہیانہ اوصاف کی بناء پر نواب نظام علیخان کے دربار میں رسائی پائی اور آپ کو جمعیت رکھنے کا اعزاز نصیب ہوا جس کے صلہ میں بالاگھاٹ کے نیچے صوبہ برار میں تقریبًا (۳½) یا (۴) لاکھ کی جاگیریں عطا کی گئیں۔

نواب محمد دولت خاں کے تین فرزند:—

(۱) محمد نصیب خاں۔

(۲) محمد مانددور خاں (نصیب یاور جنگ اول)

(۳) محمد بہادر خاں تھے۔

نواب ناصر الدولہ بہادر کے عہد میں نواب محمد نصیب خاں کو جابنا

وفادارانہ خدمات کے صلہ میں منصب ہفت ہزاری سرفراز ہوا۔
محمد نصیب خاں اور ان کے بھائی محمد ماندور خاں لاولد تھے لیکن تیسرے بھائی محمد بہادر خاں کے فرزند محمد دولت خاں (نصیب یاور جنگ ثانی) ہوئے۔ ان کے فرزند محمد نصیب خاں (نصیب یاور جنگ ثالث) تھے جن کے تین فرزند:۔

(۱) محمد بہادر خاں (نواب بہادر یار جنگ بہادر)

(۲) نواب محمد ماندور خاں

(۳) نواب محمد دولت خاں (بی۔اے۔ ال ال بی) ہیں۔

دینداری، فیاضی اور شجاعت کے علاوہ تمول بھی اس خاندان کی ممتاز خصوصیات میں سے ہے، چنانچہ نواب نصیب یاور جنگ ثانی نے منقولہ و غیر منقولہ جائداد، غیر مسکوک، چاندی اور سونے کے علاوہ (۹۵) لاکھ روپیہ نقد ترکہ میں پایا تھا۔

ولادت

نواب بہادر یار جنگ بہادر بتاریخ ۲۷؍ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ م ۵؍ فبروری ۱۹۰۵ء بمقام حیدرآباد تولد ہوئے۔ اپنی پیدائش کے (۸) روز بعد آغوش مادر سے محروم ہوگئے۔ اس وقت سے چودہ سال کی عمر تک پرورش اور تربیت نانی صاحبہ کے ذمہ رہی۔ مرحومہ ایک باخدا اور بڑی دیندار خاتون تھیں، تلاوت قرآن مجید، ملی اور قومی معاملات

سے دلچسپی اور احبار بینی آپ کی وہ ممتاز صفات تھیں جن سے نواب صاحب کو بہرۂ وافر ملا تھا نواب صاحب اکثر فرمایا کرتے ہیں :۔

"جو کچھ میرے اندر ہے وہ سب ان ہی چودہ سال کی حاصل کردہ کمائی ہے"

تعلیم

تحتانی تعلیم مدرسہ عالیہ میں حاصل کی۔ ثانوی اور فوقانی تعلیم کے لئے آپ مفید الانام، آل سینٹس ہائی اسکول اور پھر شہر کی مشہور و معروف درسگاہ دارالعلوم میں دو سال تک زیر تعلیم رہے، میٹرک کے امتحان کی تکمیل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ آپ کو بعض ناگزیر حالات کی بنا پر تعلیم ترک کرنی پڑی اور اس کے بعد پھر کسی سرکاری مدرسہ میں اس سلسلہ کو جاری رکھنا کا موقعہ نہ ملا البتہ چودہ سال کی عمر سے آپ علامہ حضرت شمسی مرحوم کی خدمت میں حاضر رہے جن سے عربی اور فارسی کے متداول علوم کی تحصیل کی تفسیر، حدیث، فقہ اور ادب کی معیاری کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ اسی زمانہ سے آپ میں مطالعۂ کتب کا شوق جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ روزانہ ڈھائی سو صفحات کا مطالعہ معمول ہو گیا تھا۔ ہر مہینہ گھر کے کتب خانہ میں بیسوں نئی کتابوں کا اضافہ ضروری سمجھا جاتا تھا چودہ سال کی عمر سے ابتک یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور آپ کا کتب خانہ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کی بلند پایہ

گراں قیمت اور مقبول عام تصانیف کا گو مختصر لیکن جامع خزینہ ہے۔

والد کی وفات

نواب نصیب خاں (نصیب یار جنگ ثالث) (۴۸) سال کی عمر میں قلب کی حرکت بند ہو جانے سے وفات پا گئے۔ ایک ایسے ناتجربہ کار نوجوان کے لئے جس نے مشکل ہی سے اٹھارویں سال میں قدم رکھا ہو والد کا سانحہ ارتحال بجائے خود مصیبت عظمیٰ ہے لیکن جاگیر اور جائداد کے وجود نے اس مصیبت کو دو آتشہ بنا دیا چنانچہ فرزند کلاں کی حیثیت سے ایک طرف گھر کے انتظام کا سارا بوجھ نواب صاحب کے سر آن پڑا۔ دوسری طرف جاگیر کے پیچیدہ معاملات اولین توجہ کے محتاج ہو گئے جاگیر اور ساری جائداد (۴½) لاکھ روپیہ کے قرضہ کی وجہ سے زیر بار تھی۔ ان ناگفتہ بہ حالات نے اس دولتمند خاندان کے وارث کو انتہائی مالی پریشانیوں سے دوچار کر دیا۔ وراثت کی نزاع، قرض خواہوں کے پیہم تقاضے اور ملازمین جاگیر کے مسلسل مطالبے اس پر مستزاد تھے، بہر حال کم و بیش آٹھ سال کا طویل عرصہ ان ہی گتھیوں کے سلجھانے میں صرف ہوا اور اس طرح (۲۶) سال کی عمر تک نواب صاحب نے دنیا کو اس کی مختلف صورتوں میں دیکھ لیا۔ خداداد حسن قابلیت اور حکمت عملی سے تمام حالات پر قابو پا لیا اور جاگیری معاملات سے فی الجملہ مطمئن ہو کر نواب صاحب نے چھوٹے پیمانہ پر معاشرتی امور میں حصہ لینا شروع کیا۔ تا آنکہ ۱۹۲۹ء میں

مجلس جاگیرداران کے معتمد منتخب ہوئے اور ۱۹۳۰ء میں مجلس وضع قوانین
میں مجلس جاگیرداراں کے نمایندگی کے لئے بالاتفاق آپ کا انتخاب
عمل میں آیا اور چار سال تک آپ نے باحسن الوجوہ نمایندگی کے فرائض
انجام دیئے۔ مجلس وضع قوانین میں گو آپ کی خدمات منظر عام پر نہ آئیں
لیکن خداداد قانونی بصیرت اور بے نظیر خطابت کی وجہ سے حکومتی حلقہ
میں آپ کی مقبولیت روز افزوں ہوتی گئی۔

سفر بلاد اسلامیہ

نواب صاحب فرماتے ہیں کہ ادائی قرضہ کے بعد پہلی دفعہ
جب آپ جاگیر کی اکٹھی آمدنی حاصل کرنے کے قابل ہوئے تو اپنی رفیقہ
حیات کیساتھ حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل کی ۱۹۳۰ء
میں بعد فراغ حج و زیارت سارے بلاد اسلامیہ کا سفر فرمایا جن میں مصر
ایران، عراق، ترکی، فلسطین، شام، اور افغانستان قابل ذکر ہیں، ان
میں سے ہر جگہ آپ کا مہمان حکومت کی حیثیت سے استقبال کیا گیا
دوران سفر میں ہر مقام کے اکابر سے ملاقات فرمائی سیاسی اور معاشرتی
مسائل پر عموماً اور عالم اسلام کے اجتماعی امور پر خصوصاً ترکی مصر اور حجاز
کے مشاہیر سے سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ نواب صاحب کی اصابت رائے
اور قوت بیان سے ترکی اور مصر کے اکابر نے بہت اچھا اثر قبول کیا
مقامی ممتاز حضرات نے آپ کی نسبت اداریئے قلمبند کئے، علمی سیاسی

اور معاشرتی مسائل پر آپ کے نقاط نظر کی اشاعت کی گئی۔ سفر سے مراجعت کے بعد اہم بلاد ہند کا بھی سفر فرمایا۔ دہلی کے دوران قیام میں خواجہ حسن نظامی صاحب نے "ابن بطوطۂ ہند" کے لقب سے اہل دہلی سے آپ کا تعارف کرایا اور وہاں آپ نے تقریروں کے ذریعہ تاثرات سفر بیان فرمائے اور بالآخر اپنے وطن مالوف حیدرآباد میں واپس تشریف لائے۔ سنہ ۱۹۳۴ء میں جب مجلس بلدیہ کا قیام عمل میں آیا تو ابتداً آپ رکن اور بعد ازاں مجلس کے نائب صدر منتخب ہوئے اس حیثیت سے آپ کو خدمت عوام کے بہت زیادہ مواقع حاصل ہوتے رہے اور شہر میں آپ کی قوت عمل کی ان گنت نظیریں قایم ہو گئیں نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے ہر ادارہ میں آپ کی طلب بڑھنے لگی۔ تعلیمی مجالس معاشرتی انجمنوں، سیاسی اداروں اور موقتی جلسوں میں خواہ وہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری نواب صاحب کی کسی نہ کسی ذمہ دارانہ حیثیت میں شرکت ناگزیر سمجھی جانے لگی اور ملک کے ہر مکتب خیال میں یکساں اعزاز حاصل ہوا۔ مقبولیت عام کی یہ وہ سند امتیاز تھی جس کے حصول کی تمنا ہر سینہ میں بے چین ہے لیکن بہت کم کسی کو حاصل ہوتی ہے۔

نواب صاحب بہ حیثیت خطیب

آل انڈیا مسلم لیگ لاہور کے سالانہ اجلاس کی آخری

نشست ہے، ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے مسلمان جمع ہیں، پنجاب کے پرجوش، امیر و غریب، جوان، بوڑھے، طالب علم اور اہل علم سامعین کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے ہیں۔ قرارداد پاکستان منظور ہو چکی ہے، خاکساروں کی نسبت لیگ کی تجویز نے مجاہدین پنجاب کے قلوب کو جوش و خروش سے لبریز کر دیا ہے، شب کے دس بج چکے ہیں ایسے میں لیگ کے صدر محترم اور ملت اسلامیہ ہند کے قائداعظم کی ایما سے نواب بہادر یار جنگ بہادر آف حیدرآباد، آل انڈیا اسٹیج سے تقریر کیلئے کھڑے ہوتے ہیں۔ جمہوریت کے عنوان پر زبان سے دو چار جملے بھی ادا نہ ہوئے تھے کہ سامعین پر مقرر کی خطابت کا جادو چل گیا۔ عوام کی زبانوں پر شور تحسین بلند تھا۔ خواص پر عالم وجد طاری تھا۔ سوا گھنٹہ کی دلآویز اور پرمغز تقریر کے بعد قائد اعظم نے اختتامی تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "نواب بہادر یار جنگ بہادر کی تقریر کے بعد کسی اور شخص کا کچھ بولنا بہت بڑی غلطی ہے"۔ جس شان خطابت کی یہ انتہا ہے اس کی داستان آغاز بھی سن لیجئے۔

بچپن ہی سے آپ کو فن تقریر سے بڑی دلچسپی تھی۔ تقریر کی جانب طبعی رجحان کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت مل سکتا ہے کہ مقررین سے آپ گہرے تعلق خاطر کا اظہار کرتے اور ان کو رشک کی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ پندرہ سال کی عمر سے تقریر کی مشق شروع کی اور بہت ہی قلیل عرصہ میں اس جوہر خداداد کی نشوونما

ہوئی اور رفتہ رفتہ میدان نمود کی جستجو ہونے لگی۔ آج سے پندرہ، بیس سال قبل کا یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حیدرآباد میں وسیع پیمانہ پر مجالس میلادالنبیؐ منعقد ہوا کرتی تھیں۔ ربیع الاول اور ربیع الثانی کے مہینوں میں شہر کے گوشے گوشے میں مجالس بڑے تزک واحتشام کیساتھ قائم ہوتیں جن میں فرزندان توحید جوق جوق ہزارہا کی تعداد میں والہانہ جوش عقیدت کیساتھ شرکت کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ مولانا مناظر احسن مدظلہ، حکیم مولانا مقصود علیخاں اُس زمانہ میں اپنے علم وفضل کے ساتھ ممتاز خطیب ومقرر شمار کئے جاتے تھے، نواب صاحب کو مظاہرہ کمال کیلئے اس سے بہتر کوئی اور میدان ہاتھ نہ آسکتا تھا چنانچہ آپ نے پہلی دفعہ بمقام لال دروازہ میلادالنبیؐ کے ایک بہت بڑے جلسہ کو مخاطب کیا جس میں حیدرآباد کی خلقت ہزارہا کی تعداد میں جمع تھی۔ ان سطور کا راقم ایک نامور اسکول کے گمنام طالب علم کی حیثیت سے جلسہ میں شریک تھا۔ نواب اکبر یار جنگ کی تقریر کے بعد نواب محمد بہادر خاں نام کے ایک بلند وبالا، سرخ وسفید، قوی تنومند، خوشرو، وخوش لباس نوجوان، تخت خطابت پر ایستادہ ہوکر آیۂ ان کنتم تحبون اللہ کی توضیح وتفسیر میں گل افشانی فرمانے لگے۔ انداز بیان، الفاظ کا دروبست، ترکیب اور بندش کی چستی معانی اور مطالب کی فراوانی صاف پتہ دے رہی تھی کہ کوئی صاحب

علم اور کہنہ مشق مقرر حاضرین کو قرآن مقدس کا درس دے رہا ہے" یہ پہلی تقریر نواب صاحب کی اعجاز بیانی کا اشتہار تھی اہل شہر کا ذوق سماعت بھی کافی بلند ہو چکا تھا۔ پھر کیا تھا کہ ہاتھوں ہاتھ نواب صاحب کا استقبال کیا گیا۔ ایک، دو اور تین مسلسل کئی جلسوں میں آپ کی تقریریں ہونے لگیں۔ ہر نقش ثانی نقش اول سے بہتر ثابت ہوتا گیا۔ زبان خلق نے آپ کو "لسان الامت" کے نام سے یاد کیا۔ نہ معلوم کس زبان فیض ترجمان نے پہلی دفعہ یہ خطاب عطا کیا تھا کہ اس کی معنویت صد فیصد پوری ہوئی اور نواب صاحب ہی کی زبان آج ملت اسلامیہ دکن کی طرف سے بول رہی ہے اور ان کا ہر بول دکن کے لاکھوں مسلمانوں کی ترجمانی کر رہا ہے سچ ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

نواب صاحب کی تقریر کے صوری و معنوی محاسن نے عوام کے قلوب کو مسحور کر لیا تھا۔ اب شہر کا ہر وہ جلسہ ناممکن سمجھا جاتا تھا جس میں نواب صاحب بہ حیثیت مقرر شریک نہ ہوں اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ وکرڑی پلے گراؤنڈ میں میلاد النبی کا عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا کرتا تھا۔ بیرون دکن کے ممتاز علما، ہر سال خصوصیت کے ساتھ مدعو کئے جاتے تھے؛ اور اعلیحضرت بندگانعالی بھی بہ نفس نفیس اس جلسہ میں شرکت کی سعادت حاصل فرماتے ایک سال اعلیحضرت

بندگانعالی کی موجودگی میں نواب صاحب نے حیات حضور اکرمؐ
کی جامعیت پر بصیرت افروز اور ایمان آفرین تقریر فرمائی جس کے
ہر جملہ پر حاضرین سردھن رہے تھے اہل دل اور صاحبان ذوق پر
سکتہ طاری تھا اور خود اعلٰحضرت تقریر سے برابر متاثر ہو رہے تھے
اس اثر آفرین تقریر کے صلہ میں دوسرے ہی دن بارگاہ خسروی سے
'بہادر یار جنگ' کا خطاب سرفراز ہوا، جو آپ کی بے نظیر خطابت
کی سند امتیاز اور مہر تصدیق ہے۔

ایک عرصہ تک میلادی جلسہ آپ کی تقریروں کی جولانگاہ
بنے رہے۔ بعد میں جوں، جوں، مقبولیت بڑھتی گئی آپ کو علمی مجالس
میں بھی تقریریں کرنے کا موقعہ ملا، چنانچہ ایجوکیشنل کانفرنس کے منتخب
مجمع میں جو زیادہ تر اہل علم و ادب پر مشتمل ہوا کرتا ہے آپ نے آج
سے آٹھ دس سال قبل جو بلیغ تقریر ارشاد فرمائی تھی اس کی یاد اب
تک اہل ذوق کے حافظہ میں محفوظ ہے اس تقریر نے آپ کو ملک
کا ہمہ گیر مقرر ثابت کیا۔ سنجیدہ اور علمی حلقوں میں آپ کا وقار
قائم ہو گیا۔ کچھ عرصہ تک مذہبی اور علمی تقاریر کے سلسلے اسی طرح
عرصہ تک جاری رہے۔ اسی زمانہ میں برطانوی ہند کی مرکزی مجلس
مقننہ میں سارد ابل پیش ہوا۔ مسلم حلقوں میں عموماً اور سناتنی ہندو
حلقوں میں خصوصاً اس بل کے خلاف احتجاج شروع ہوا۔ حیدرآباد
میں بھی اس کے موافق اور مخالف جلسے منعقد ہوئے۔ چنانچہ ہندو

مسلمانوں کا متحدہ اور نمایندہ جلسہ نواب میر فیاض علیخاں کی کوٹھی میں منعقد ہوا جسمیں نواب صاحب نے ساردابل کی مخالفت میں معرکتہ الآرا تقریر فرمائی چونکہ یہ اپنی نوعیت کی پہلی تقریر تھی جو ہند وا ور مسلمانوں کے عام مسلک کی حمایت میں کی گئی تھی اس لئے دونوں قوموں کے افراد میں نواب صاحب کی مقبولیت ملک کے محفوظ اور غیر متاثر ماحول میں روز افزوں ہوتی رہی۔

بلاد اسلامیہ کے سفر سے مراجعت کے بعد نواب صاحب نے حجاز، ایران، ترکی، اور افغانستان پر مسلسل چار تقریروں کے ذریعہ تاثرات سفر بیان کئے۔ ان تقاریر سے ہزارہا سامعین نے استفادہ کیا۔ تقاریر جس طرح خطابت کا بہترین نمونہ تھیں اسی طرح دلچسپ معلومات کا گنجینہ بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سفر کے بعد نواب صاحب کی بصیرت اور آگہی کے حدود وسیع تر ہو گئے اور عالم اسلام کا مستقبل خصوصیت کے ساتھ آپ کے فکر و تدبر کا نقطۂ منتہی بن گیا۔ اسرار زمانہ سے مسلمانانِ دکن کی غیر شعوری اور اُن کی عدم تنظیم سے آپ نے دکھ محسوس کیا۔ برادران ملت کی زندگی اپنی مخصوص ڈگر پر گذر رہی تھی۔ نوجوان طبقہ میں جامعہ عثمانیہ کے قیام کی وجہ سے گو علم کی روشنی پھیل رہی تھی لیکن حصول علم کے بعد ان کا نصب العین حکومت کی ذمہ دارانہ خدمات اور ان کے ذریعہ تحصیل جاہ و دولت کے سوا کچھ نہ تھا اہل ثروت اپنے آبا و اجداد کی میراث سے لطف اندوزی میں مشغول تھے

متوسط طبقہ کو کشمکش حیات سے فرصت نہ تھی۔ نام نہاد اہل دین ہمہ تن فروغ تجارت کی جانب مائل تھے، محتاط صاحبانِ بصیرت کا وعظ اوران کی صدائے تذکیر چند نفوس کے حلقہ تک محدود تھی۔ حکومت کے حلقہ بگوش اپنی ذاتی اغراض کے سوا ملک وملت کے مفاد کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ ملک کا عام ماحول جمود وغفلت کا آئینہ دار تھا۔ اس طلسم ہوشربا کو توڑنے میں نواب صاحب نے ابتداً اپنی خطابت کو استعمال کیا اور عرصہ دراز تک مسلمانان دکن کی نفسیات میں تبدیلی کی ان تھک کوشش کی۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں حکیم مولوی مقصود علیخاں اور محمود نواز خاں صاحب کی کوشش سے مسلمانان حیدرآباد کے سارے فرقوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی کوشش کی گئی اور مجلس اتحادالمسلمین کی بناء ڈالی تو نواب صاحب بھی نہ صرف اُن کے مشیر خاص بلکہ دست راست تھے۔ بہت ممکن تھا کہ اس مقبولیت کے نام پر جو ملک کے ہر طبقہ میں قائم ہو چکی تھی نواب صاحب حکومت کا بڑے سے بڑا مقام حاصل فرماتے۔ لیکن فضائے بسیط میں پرواز کرنے والے شاہین کو کنج قفس کی پابندیاں مرغوب نہ تھیں۔ آپ کی عالی ظرفی نے گوارا نہ کیا کہ "ہمت مردانہ" جس کے "دست جنون" میں "جبرئیل" بھی "صید زبون" ہے کسی ایسے "رزق" کے حصول میں ضائع کر دی جائے جس سے پرواز میں کوتاہی آنے لگے۔ قدرت نے جس مرد دلیر کو مجاہدانہ طاقتیں عطا کر کے طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے پیدا کیا ہو، ناممکن تھا کہ

راہ حق کے سوا وہ کسی مقصد غیر میں استعمال ہوسکتیں۔

تبلیغ دین

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے اسباب زوال پر غور کرتے ہوئے ہم اپنے انفرادی نقائص کا تو بڑی دیانت داری کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں لیکن اس محاسبہ میں اہم اجتماعی فروگذاشت کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا کہ گذشتہ ڈھائی سو سال سے مسلمانوں نے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر کی تعمیل میں کوئی اجتماعی نظام ترتیب نہیں دیا اور تبلیغ جیسے اہم فریضہ کو طاق نسیاں کی زینت بنا دیا۔ جس کے درد ناک عواقب سے آج ہم دوچار ہیں۔ اگر پابندی کیساتھ تبلیغ کے فریضہ کو ادا کیا جاتا تو خود نواب صاحب کے ارشاد کے بموجب ہندوستان میں قلت و کثرت کا سوال پیدا نہ ہوتا۔

نواب بہادر یار جنگ بہادر کی ملی اور مذہبی خدمات میں سب سے اہم خدمت یہ ہے کہ آپ نے مسلسل دو تین برس تک تبلیغ کے اہم فرائض انجام دئیے۔ اور اس عرص مدت میں تقریبًا (۱۲۰۰) غیر مسلموں کو اسلام سے مشرف کر کے خلود فی النار سے نجات دلائی۔ ابتداً اس مقدس فریضہ کے انصرام کیلئے مجلس تبلیغ کی تشکیل عمل میں آئی جو ممتاز علماء اور سربرآوردہ اصحاب خیر پر مشتمل تھی ۱۹۲۷ء میں نواب صاحب نے اس مجلس کے نائب معتمد کی حیثیت سے اضلاع مرہٹواڑہ و تلنگانہ کے

اکثر مقامات کا دورہ پیدل اور بیل گاڑی کے ذریعہ کیا، اور ایک ایک دیہات میں پہنچ کر "لا اکراہ فی الدین" کے اصول کے مطابق غیر مسلموں کے سامنے اسلام کے محاسن پیش کئے۔ جن کی نیت اغراض سے پاک تھی اور بطیب خاطر تبدیل مذہب پر آمادہ تھے صرف انہی کو مشرف باسلام کیا گیا۔ علاقہ مرہٹواڑہ میں جالنہ، گیو رائی، بھوکردن اور تلنگانہ میں ورنگل، جینگاؤں، نلگنڈہ اور مریال گوڑہ میں تبلیغ کا کام الحمد اللہ بہ نہایت کامیابی کے ساتھ انجام پایا۔

تبلیغ کے ذریعہ تبدیل مذہب اس قدر مشکل نہیں جتنا کہ نومسلمین کو فتنۂ ارتداد سے محفوظ رکھنے کا مسئلہ مشکل ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ مخالف قوتیں منظم سازش کے ساتھ مقابلہ پر آمادہ ہوں، نواب صاحب نے ان گنت مخالف حالات کے باوجود نومسلمین کے تالیف قلوب، ان کے لئے قیام مدارس، تیاری لباس، ذرائع معیشت کی فراہمی مبلغین اور مدرسین کے تقرر اور دوسری ممکنہ سہولتوں اور امداد کا انتظام فرمایا جس کا معائنہ کر کے کل ہند جمعیتہ تبلیغ کے معتمد عمومی مولانا غلام بھیک نیرنگ نے نظام تبلیغ کی باقاعدگی پر اظہار رشک فرمایا کہ "کل ہند جمعیتہ تبلیغ کا نظام نہ تو اس قدر مستحکم ہے اور نہ اتنا کامیاب"۔

نومسلمین کی نگہداشت اور ان کی تعلیم و تربیت کے سارے انتظامات اب بھی مجلس تبلیغ کے تحت انجام پا رہے ہیں۔ بعض دیہاتوں میں مدارس کا مستقبل اطمینان بخش طریقہ پر مستحکم ہو چکا ہے۔ آیندہ کے لئے کار ہائے تبلیغ

کو مضبوط اساس پر قائم کرنیکا ایک مکمل اسکیم نواب صاحب کے زیر غور ہے
امید ہے کہ عنقریب زیادہ استحکام کیساتھ اس اہم فریضہ کی تکمیل میں
انشاء اللہ کام کا آغاز ہو جائیگا۔ پچھلے دنوں تبلیغ کا جو کچھ کام انجام پا
اس پر ماہانہ سینکڑوں روپیہ کے مصارف عائد ہوئے جن کی پابجائی کے
لئے مخیر متمولین نے نواب صاحب کی کماحقہٗ اعانت فرمائی، جزاہم اللہ
فی الدارین خیرا۔

سیاسی خدمات

مسلمانوں میں احساس خودی اور شعور ملی کے بیدار کرنے میں نواب صاحب
کی قوت عمل برابر کام کر رہی تھی لیکن ایک عرصہ سے من حیث القوم
مسلمانوں کی نفسیات کا یہ عالم ہے کہ جب تک کسی خطرہ کا سامنا
نہ ہو اپنی بیداری کا ثبوت نہیں دیا کرتے۔ زمانہ کے تغیر پذیر حالات
سے متاثر ہو کر رسمی طور پر مسلمانوں میں بیداری کا احساس پیدا ہوتا ہے
لیکن وقتی اور بڑی حد تک جذباتی ہونیکے باعث تعمیری کام کی تکمیل
میں ہمیشہ رکاوٹ پیدا ہوتی رہتی ہے لیکن ان میں سب سے بڑی
رکاوٹ باہمی افتراق ہے جس نے ملت کے مفاد کو سخت صدمہ
پہنچایا ہے اور جس کے مضر اثرات سے ہر وقت افراد ملت کو متنبہ کیا جاتا
رہا۔ لیکن تعمیر خویش کیلئے ہندوستان کی گذشتہ ربع صدی کی تاریخ شاہد
ہے کہ ایجابی تدابیر کے مقابلہ میں سلبی ذرائع زیادہ مفید ثابت ہوتے رہے۔

ہندو اور مسلمانوں کے تعلقات میں تلخی کے باعث آئے دن برطانوی ہند کو جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کی تفصیل اس قدر واضح ہے کہ یہاں اس کا اعادہ تحصیل حاصل ہے۔ مرور زمانہ کے ساتھ ان دو بڑی جماعتوں کے تعلقات تلخ تر ہوتے گئے۔ حتی کہ صوبہ وار خود مختاری ملنے کے بعد کانگرس ہندو راج کے تصور کو عملی جامہ پہنانے کے خواب دیکھنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تعلقات کی تلخی عداوت میں تبدیل ہو گئی اور اس کے اثرات صرف برطانوی ہند تک محدود نہ رہے بلکہ دور دور پھیلنے لگے ہری پورہ اجلاس کے بعد خصوصیت کے ساتھ کانگرس نے اپنے قدیم معینہ اصول کے خلاف ریاستی حکومتوں میں غیر آئینی مداخلت شروع کر دی۔ مختلف ریاستوں میں فسادات کے بیج بوئے۔ حکومت کے خلاف کرائے اور ذمہ دارانہ حکومت کا لالچ دلا کر ہنگامے مچائے۔ ہنگاموں کے ان جراثیم سے مملکت آصفیہ بھی محفوظ نہ رہ سکی اور سرزمین دکن کے ہندو مسلمانوں میں جو عرصہ دراز سے صلح و آشتی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے بیرونی مفسدہ پردازوں نے فرقہ دارانہ فساد کا بیج بو دیا۔ آریہ سماجی جماعت کو آلہ کار بنا کر مذہبی آزادی کے پردے میں سیاسی اقتدار کے حصول کی کوشش کی جانے لگی۔ یہی وقت تھا جبکہ مسلمانوں کو اپنی رہنمائی کیلئے کسی مرکز کی تلاش ہوئی۔ چنانچہ اس موقع کو غنیمت سمجھکر نواب صاحب نے چند مخلص معاونوں کو ساتھ لیکر اتحاد المسلمین کے قدیم ادارہ کی تجدید فرمائی جو کچھ عرصہ سے گمنامی کا نذر ہو چکا تھا۔

مجلس کی نشاۃ ثانیہ کا سال اول عام مسلمانوں میں احساس وشعور پیدا کرنے میں فی الجملہ کامیاب ثابت ہوا۔ جگہ جگہ اس کی شاخیں قائم ہوئیں۔ قصباتی اور ضلعواری مجالس کے قیام میں مسلمانوں نے عام طور پر دلچسپی کا اظہار کیا اس طرح تعمیری مقاصد کی پیش رفت کے لئے زمین ہموار ہوگئی اور غفلت وجمود کی جو یاس انگیز حالت مسلمانوں پر طاری تھی الحمدللہ کہ وہ دور ہونے لگی۔

ملت اسلامیہ دکن کا مقبول عام قائد

قیام مجلس کے بعد نواب صاحب عوام میں امیر، جاگیردار، اور مقرر سے زیادہ قائد کی حیثیت سے مقبول ہونے لگے۔ اس عرصہ میں حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں پہلی دفعہ آریہ سماجی فتنہ انگیزیاں رام لال پٹیھ کی قیامت خیز فرقہ وارانہ ہنگامہ کی شکل میں ظاہر ہوئیں۔ جس میں نواب صاحب کے دو نوجوان بھانجوں کی شہادت کا الم انگیز حادثہ وقوع میں آیا۔ جس نے مسلمانان حیدرآباد میں عموماً اور افغانوں کے طبقہ میں خصوصاً آتش انتقام بھڑکا دی۔ عرب، افغان اور دیگر مسلمانوں کے مسلح افراد ہزارہا کی تعداد میں جذبۂ انتقام کو سینہ میں لئے ہوئے اپنے قائد کے حکم کے منتظر تھے لیکن نواب صاحب نے کمال دانشمندی اور انتہائی صبر وتحمل کے ساتھ مسلمانوں کے برانگیختہ جذبات پر قابو پالیا جس کا اعتراف خود حکومت نے اپنے ابلاغیہ میں کیا ہے۔ ہنگامہ کے دوران میں اور

اس کے فرو ہو چکنے کے بعد بھی نواب صاحب نے عام مسلمانوں کی بڑی خدمت انجام دی۔ ہنگامہ کے مجروحین کی شفاخانہ میں عیادت فرمائی اور ان کے متعلقین کی دلداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

حیدرآباد میں فساد کے اس حادثہ نے مسلمانوں کی آنکھوں سے غفلت کے پردے ہٹا دئیے اور انہوں نے اپنے قائد کی ہر آواز پر لبیک کہی۔ ایسے وقت میں نواب صاحب پر دوگونہ فرائض کا بار پڑا۔ ایک تعمیر خویش اور دوسرے مدافعت غیر۔ تنظیم اور تعمیر کا کام مجلس اتحاد المسلمین کے ذریعہ جس قدر ممکن ہو سکا انجام پاتا رہا۔ لیکن اغیار کی ریشہ دوانیوں کی مدافعت کا کام اپنی اہمیت کے اعتبار سے اولین توجہ کا محتاج تھا۔ کیونکہ ہندو جماعت نے ایک کھلے حریف مقابل کی حیثیت سے مذہب و سیاست کے دو دھاری حربہ سے اسلامی ریاست کی عدیم النظیر رواداری کو مجروح کرنا شروع کیا۔ برطانوی ہند کے ایک ایک شہر میں پروپگنڈا کیا گیا کہ "ریاست نظام میں ہندو دھرم کو آزادی نصیب نہیں ہے" اسی قبیل کے بے سروپا الزامات کی اس کثرت کے ساتھ تشہیر کی گئی کہ برطانوی ہند کے مسلم اور غیر مسلم سنجیدہ اکابر بھی آصفی مظالم کے ان مفروضہ افسانوں کو سنکر متحیر تھے اور ہر نقطۂ خیال کے جرائد میں حکومت کی تشدد آمیز پالیسی پر اظہار افسوس کیا جانے لگا۔ لیکن اس رسواکن عمل کے خلاف حکومت کے طرف سے جوابی کارروائی میں غیر معمولی تساہل برتا گیا

جوں جوں دشمن کا حملہ قوی ہوتا رہا حکومت اپنے خلاف رفع غلط فہمی پر آمادگی کے بجائے سہنے لگی۔ ایسے موقعہ پر مسلمانان حیدرآباد نے اپنے قلب میں بے چینی محسوس کی کیونکہ اسلامی مملکت کی حیثیت میں حکومت آصفیہ کے خلاف جو افترا پردازی ہو رہی تھی وہ دراصل اس کے مسلمان بادشاہ اور مسلمان رعایا کے خلاف کی جا رہی تھی اس لئے اس افترا پردازی کے انسداد کا حل مسلمانوں اور اس کی نمایندہ جماعت مجلس اتحاد المسلمین اور اس کے قائدین کے دل میں پیدا ہو سکتا تھا چنانچہ اسلامی حکومت کے خلاف اس غلط پروپگنڈے کے انسداد کیلئے مجلس کی جانب سے مولوی فضل حسین کی قیادت میں ایک وفد برطانوی ہند کے دورہ پر روانہ کیا گیا اور مجلس کے قائد نواب بہادر یار جنگ بہادر نے حیدرآباد میں ہندو ہنگامہ پروری کے اسباب کو بے نقاب کرنے کرنے کے لئے بمقام الہ آباد مولانا ابوالکلام آزاد اور پنڈت جواہر لال نہرو سے بالمشافہ گفتگو کی اور بساط کانگرس کے ان اہم مہروں پر واضح کر دیا کہ حیدرآباد میں سیاسی اقتدار کے حصول کا جو کھیل کھیلا جا رہا ہے بدنیتی کے سوا اس کی کوئی اور اساس نہیں ہے۔ نواب صاحب کے اس بیان کی تصدیق کیلئے کانگرس کی طرف سے متعدد جاسوس تحقیق حالات کے لئے حیدرآباد بھیجے گئے اور بالآخر آریہ سماجیوں کی بدنیتی اور حیدرآبادی مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے محاذ کو جلد یا بدیر شکست خوردنی سمجھکر گاندھی جی نے حیدرآباد کی ستیاگرہ اور سول نافرمانی کو حکماً موقوف کر دیا

حیدرآباد کے لئے بیرون ملک نواب صاحب کی مساعی کامیاب ہو رہی تھیں لیکن خود حکومت حیدرآباد نواب صاحب کے درمندانہ مشوروں کے مطابق عمل پیرائی میں متامل تھی۔ آریہ سماجی ادارے اپنی معاندانہ کارروائیوں میں برابر مصروف تھے۔ شہر عافیت سوز اور امن شکن ہنگاموں کا شکار رہتا رہا لیکن حکومت نے مدافعت میں اپنے دست آہنی کی قوت دکھانے کے بجائے غیر معمولی شفقت سے دشمن کے دل بڑھائے حتیٰ کہ اس کی دھمکیوں سے متاثر ہو کر ایک سے زیادہ دفعہ اصلاحات کی صورت میں مطالبات کی تکمیل کا وعدہ کر لیا اور عملاً ثابت کر دیا کہ حکومت آصفیہ کوئی اسلامی حکومت نہیں بلکہ ایک ایسی قومی حکومت ہے جس کے نزدیک مسلم طبقہ سے زیادہ ہندو طبقہ کی خاطر منظور رہے۔ مسلمانوں کے قائد اور خود اپنی ذاتی حیثیت سے نواب صاحب نے حکومت کے اس مسلک سے علانیہ شدید اختلاف کا اظہار کیا کیونکہ حکومت اپنے اس عمل اور تصور سے اسلامی حکومت کے ششش صد سالہ وقار کو صدمہ پہنچا رہی تھی۔ نواب صاحب نے حکومت کے اس تصور کو بدلنے میں جو ایثار اور قربانیاں کی ہیں دراصل وہی آپ کی سیاسی زندگی کا نچوڑ اور قیادت کی عظمت اور فضیلت کا سرمایہ ہیں۔

عام طور پر ہندوؤں کے ذمہ دارانہ مطالبۂ حکومت کو حق بجانب قرار دینے میں ان کی تعدادی اکثریت کو دلیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ نواب صاحب نے تعدادی اکثریت اور قومیت پرستی کے خلاف مستقل جہاد

کی نبار ڈالی۔ تاریخی شواہد کی روشنی میں اکثریت کے زعم کو زعم باطل قرار دیا۔ اور قومیت پرستی کا تجزیہ کر کے حامیاں مسلک کی تہی دامنی کو بے نقاب کیا۔

ہندو برادری شودر اور اچھوتوں کو شامل کر کے اپنی اکثریت کا دعویٰ کرتی ہے۔ لیکن ہندوستان کی تاریخ کا سب سے پہلا ورق اس حقیقت کی شہادت ادا کر سکتا ہے کہ اونچی ذات کے ہندوؤں نے کبھی نیچ ذات کے ہندوؤں کو اپنی قوم کا عنصر تسلیم نہیں کیا بلکہ اُن سے معاشی اور معاشرتی حیثیت سے بالکل علٰحدگی اختیار کر لی۔ ان کو دین اور علم کی نعمتوں سے حکماً محروم کر دیا گیا جس کی روداد تاریخ کے عمرانی پہلو کی بڑی دردناک سرگذشت ہے۔

ہندوستان اور دکن میں اسلامی دورِ حکومت سے پہلے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں نے نیچ ذاتوں کے مقابلہ میں استبداد مفلسی، دست برد اور معاشرتی مظالم کی جو عبرتناک مثالیں پیش کی ہیں وہ تاریخ ہند کا دردناک باب ہے۔ سلطنت بہمنی کے قیام سے پہلے راجگان دکن کے برہمن مشیروں کی خود غرضانہ پالیسی نے رعایا کو اپنے پیدائشی حقوق سے محروم کر دیا تھا۔ آج ہندوستان میں سیاسی اقتدار حاصل کر کے اس ظالمانہ مسلک کے حامی پھر اسی حزنیہ کا اعادہ کرنا چاہتے ہیں جو وحشیانہ اور غیر انسانی شہنشاہیت کی مکروہ ترین مثال ہے۔

نواب صاحب نے مختلف طریقوں سے ان حقائق کو حکومت کے

جنبانی شروع ہوئی۔ چنانچہ مسٹر نرسنگ راؤ نے محنت شاقہ کے بعد
اپنی جماعت کا خط اعتماد حاصل کر کے مسلمانوں کے مسلمہ قائد نواب بہادر
یار جنگ بہادر سے گفتگوئے مفاہمت شروع کی لیکن نوعیت
حکومت کے مسئلہ پر جانبین کا اصرار بالآخر انقطاع گفتگو پر منتج ہوا
جیسا کہ شائع شدہ مکتوبات سے ظاہر ہوتا ہے مسٹر نرسنگ راؤ کا مطالبہ
تھا کہ ذمہ دارانہ حکومت کو بعید نصب العین کی حیثیت سے تسلیم کر لیا
جائے لیکن نواب صاحب کو اس نقطہ پر کلام ہے کہ گفتگو کی پہلی منزل
میں طے ہو چکا تھا کہ موجودہ طریق حکومت کی تبدیلی کا نہ تو کوئی مطالبہ
کیا جائیگا اور نہ مستقبل کے لئے کوئی شرط یا پابندی عاید ہو سکیگی
اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نواب صاحب نے اپنی قیادت
کسی منزل پر بھی مسلمانوں کے اقتدار کو متاثر ہونے نہ دیا بلکہ کامل
استقامت کے ساتھ اس کی حفاظت کی انقطاع گفتگو کے بعد
آریہ سماجی فتنے آندھی کی طرح اٹھنے لگے۔ تنظیم و قوت کے مظاہرے
سیلاب کی طرح منظر عام پر آنے لگے۔ مہا سبھائی اور ہندو سیول
لبرٹیز اداروں کیسا تھا سٹیٹ کانگریس بھی وجود میں آئی اور ان خالص
فرقہ وارانہ اداروں کے دوش بدوش اس نام نہاد قومی جماعت
نے گفتگوئے مفاہمت کے دوران میں ستیہ گرہ شروع کر دی
جامعہ کی پر سکون علمی فضا میں جہاں ہونہار طلبا رکو فرقہ وارانہ سمیات
کے جراثیم سے محفوظ رکھنے کی کوشش کیجاتی ہے بالارادہ ہندو طلبار

کو اکس کر ہندے ماترم کا فتنہ کھڑا کیا گیا۔ سول نافرمانی کی مہم آغاز کی گئی ہنگاموں کا بازار گرم ہونے لگا۔ بم پھٹے۔ بیسوں بندگان خدا کو ناحق ضرر پہنچایا گیا تاکہ حکومت متاثر ہو کر فوراً ان کے نام پروانہ حریت تحریر کر دے۔ اس کے برخلاف حکومت کے ساتھ مسلم طبقہ کی روش اس کے قائد کی بلند حوصلگی اور عالی ظرفی کی حیرتناک مثال تھی، مجلس اتحادالمسلمین کی مرکزیت اپنے اور پرائے سب کے نزدیک مسلم ہو چکی تھی۔ برطانوی ہند سے پیہم رضاکارانہ خدمات پیش کی جا رہی تھیں نواب صاحب کے لیے بہت آسان تھا کہ حکومت کو پریشانیوں میں اضافہ کرنیکے لئے راست عمل کا ایک متوازی محاذ تیار کر دیا جائے لیکن حکومت کے مقابلہ میں بے ضرورت شورش سے ہمیشہ اجتناب کیا گیا۔ اور حصول مقصد میں تخریبی ذرائع کے استعمال کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حکومت نے نفاذ اصلاحات کی نسبت اپنے ارادہ کو معین کر کے مسلمانوں کے پیمانہ تشکیب کو لبریز کر دیا مصلحت وقت کے پیش نظر نواب صاحب نے حکومت کے اس طرز عمل پر سخت تنقید اور نکتہ چینی شروع کی تاکہ مسلم طبقہ کے رجحانات کا حکومت کو اندازہ ہو سکے۔ اصلاحات کے بارہ میں مجلس اتحادالمسلمین کا رجحان تھا کہ ملک کی فضا ساز گار ہونے تک اصلاحات کا نفاذ ملتوی رہے اہل ملک اس تحریک التواء کے دل سے حامی تھے جس کا ثبوت امن و اتحاد کا وہ عظیم الشان جلسہ ہے جو جہاں...

سرکشن پرشاد آنجہانی کی اپیل پر اظہار تشکر کیلئے قوم پرستوں کی جانب
سے منعقد کیا گیا تھا جس میں نواب بہادر یار جنگ بہادر نے قرارداد
تشکر کیساتھ تحریک التواء کو بطور اضافہ شریک کرکے پیش کی تھی جو جلسہ
کے مقابلہ میں کئی ہزار آراء کی موافقت سے منظور کرلی گئی۔ اس متفقہ آواز
کے باوجود حکومت کی روش اعلان اصلاحات اور مسلم مطالبات کے
سلسلہ میں غیر اطمینان بخش رہی۔ اب نواب صاحب نے اپنے واجبی مطالبات
کو منوانے میں حکومت کے ارباب بست وکشاد سے گفتگو کا آغاز فرمایا
اور کامل تدبر کے ساتھ قیادت کا حق ادا فرمایا۔ لیکن حکومت کے اس
تصور کو بدلنے میں کامیابی حاصل نہ ہوسکی جو ہندو فتنوں کی ہنگامہ خیزی
نے پیدا کردی تھی۔ رائے عامہ میں سخت ہیجان پیدا ہوگیا۔ اور اپنے
حقوق کی حفاظت کیلئے مجلس اتحاد المسلمین سے راست عمل کا مطالبہ
کیا جانے لگا۔ نواب بہادر یار جنگ بہادر نے متعدد موقعوں پر مسلمانوں
کے جذبات کو روکنے کی کوشش فرمائی۔ اور ادھر مسلم مطالبات کو حق بجانب
تسلیم کرانے میں حکومت کا تامل بدستور باقی رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم
عوام کو اب تک جو بد اعتمادی حکومت سے تھی اس کا رخ فطرتاً اتحاد المسلمین کی جانب
پھر گیا۔ عوام کی اس عارضی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر اغیار نے مرکز گریز
تدابیر کا جال بچھا دیا۔ اور مسلمانوں کو چھوٹے چھوٹے مکاتب خیال میں
تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ سرے سے مجلس کی مرکزیت اور نواب
صاحب کی قیادت باقی نہ رہے۔ قائد کے امتحان کا اس

وقت کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ لیکن بحمداللہ کہ نواب صاحب کی دانشمندی اور تدبر نے عبوری دور کی ساری مشکلوں کو حل کر دیا۔ اور مسلمانوں کی مرکزیت پر کوئی آنچ نہ آسکی۔

ملک بے چینی اور اضطرار کی عجیب و غریب کشمکش میں مبتلا تھا کہ اس کا اندازہ کئے بغیر حکومت نے ۱۹۳۹ء کو بالآخر اصلاحات کا اعلان کر دیا۔ مسلم سنجیدہ حلقوں میں سخت شکایت پیدا ہو گئی کہ ملک کی تشویشناک حالت میں سکون کا انتظار اور ملک کی خصوصی روایات کے اعتبار سے اصلاحات کے نتائج اور ان کے شدید ردِ عمل کا اندازہ کئے بغیر حکومت نے مخالف کشمکش کے آگے سپر ڈالدی جو اس کے دو صد سالہ وقار اور تمکنت پر کاری ضرب ہے جس کو صرف وہی جماعت محسوس کر سکتی ہے جس نے دولت آصفیہ کی تاسیس اور تعمیر میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیا تھا۔ مجلس اتحاد المسلمین نے اصلاحات کو اپنی ایک تجویز کے ذریعہ ملک کیلئے عموماً اور مسلمانوں کیلئے خصوصاً مضر اور غیر اطمینان بخش قرار دیا۔ جس کی اشاعت نے مجلس کے ساتھ عامتہ المسلمین کے نقش اعتماد کو گہرا کر دیا کیونکہ یہ تجویز ان کے جذبات کی پوری پوری ترجمان تھی۔

اصلاحات کے مضرات سے عوام کو واقف کرنے کے لئے قائد مجلس نے مسلسل تین تقریریں فرمائیں جن میں کمال شرح وبسط کے ساتھ اصلاحات کا تجزیہ کیا گیا۔ اس سلسلہ میں نواب صاحب نے حکومت پر جا اعتراضات فرمائے

ہیں ان کا اجمال یہ ہے کہ :۔

(۱) ہندو جماعت کی دھمکیوں سے مرعوب ہو کر حکومت نے اعلان اصلاحات میں بڑی عجلت سے کام لیا۔

(۲) ہندو جماعت نے شہری اور مذہبی آزادی کے سلسلہ میں اپنے چند مطالبات پیش کئے تھے لیکن حکومت نے اپنی فیاضی سے دستوری اصلاحات کا اعلان فرمایا جس کا نہ کوئی مطالبہ تھا اور نہ وقت۔

(۳) اس وقت حکومت کی موجودہ مشنری میں ترمیم و اصلاح کی ضرورت تھی نہ کہ دستور جدید کے اعلان کی۔

(۴) حکومت ایک ایسی جماعت کو منانے کی کوشش کر رہی ہے جو صد فیصد حاصل کرنے کے بعد بھی اپنی وفاداری کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتی اور دوسری طرف وہ ایک ایسی جماعت کو مایوس کرنے پر تلی ہوئی ہے جو اسلامی حکومت کے وقار اور تحفظ کے لئے رضاکارانہ اور سربکف میدان میں آنے کے لئے ہمیشہ آمادہ رہی ہے اور آئندہ رہے گی۔

ان شکایات کے ساتھ ساتھ مسلم مطالبات کو منوانے میں اب مجلس کو راست عمل پر غور کرنے کی ضرورت پیش آئی لیکن مجلس اور قائد مجلس نے رشتۂ تدبر کو ہاتھ سے نہ دیا۔ حکومت کے نمایندوں سے نواب صاحب کی گفتگو کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ لیکن اول الذکر کی تاخیر پسندی سے دوریٔ منزل، ہر قدم پر نمایاں ہونے لگی جس سے تنگ آکر بالآخر مجلس نے ایک مہینہ کی مدت کا تعین کر کے حکومت سے یکسوئی کی خواہش کی اور عدم تکمیل

کی صورت میں راست عمل اختیار کرنیکا فیصلہ کیا گیا۔ گفتگو کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ مسلم مطالبات کے منوانے میں دلائل وبراہین کی ساری قوت استعمال کی گئی۔ ثابت قدمی اور استقلال کا پورا مظاہرہ کیا گیا تا آنکہ حکومت کی جانب سے مجلس اتحاد المسلمین کو اس کے مطالبات کی نسبت مطمئن کر دیا گیا۔ قائد ملت نے حکومت سے تیقنات حاصل کریں اور اپنے یقین کی بنا پر مسلمانوں کو بھی مطمئن کر دیا۔

اعلان اصلاحات کے زمانہ ماقبل ومابعد میں مذکورہ بالا اہم خدمات کے باعث نواب صاحب کے اعتماد اور مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا۔

سیاسی کلمہ

نواب صاحب نے حیدرآباد کی جو کچھ خدمت انجام دی اس کا مقصد اسلامی حکومت کی بقا اور استحکام تھا۔ وطنیت اور قومیت و شخصیت کا کوئی تصور آپ کے گوشہ قلب میں جگہ نہ پا سکا۔ مسلمانوں کو آپ نے من حیث القوم دکن کا بادشاہ تصور کیا اور اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ اس عقیدت کی اشاعت فرمائی کہ آصفی تخت وتاج اور مسلم عوام کا تعلق روح اور جسم کا ہے ان میں سے ہر ایک کا وجود دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "حکومت آصفیہ کا اقتدار مسلم عوام میں مرکوز ہے اور اعلحضرت بندگانعالی مسلمانوں کے سیاسی اور تمدنی اقتدار کے مظہر ہیں"۔ اس خیال کو ملت اسلامیہ دکن کے سیاسی کلمہ سے تعبیر کیا گیا جو آج

ہر مسلمان کا محکم عقیدہ ہے۔

ریاستی مسلم لیگ

نواب صاحب دکن کی اسلامی مملکت کے خادم اور قائد کی حیثیت سے سارے ہندوستان میں متعارف ہو گئے اور تدریجاً آپ کی شہرت خطیب اور قائد کی حیثیت سے سارے اقطاع ہند میں پھیل گئی۔ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاسوں میں شرکت کی وجہ سے مسلم زعماء و مشاہیر ہند کے ممتاز حلقوں میں آپ روشناس ہو گئے۔

برطانوی ہند کے مختلف شہروں اور مختلف ریاستوں میں آپ کو مسلمانوں کی سیاسی اور معاشی حالات کے مطالعہ کا موقعہ ملا۔ سب سے پہلے آپ نے محسوس کیا کہ مسلم لیگ کی عاملانہ سرگرمیوں نے برطانوی ہند کے مسلمانوں کو اگرچہ کہ اقتضائے وقت کے مطابق بیدار کر دیا ہے لیکن ریاستی مسلمانوں کے درد کا کوئی علاج ابتک تجویز نہیں کیا گیا۔ قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح سے تفصیلی گفتگو اور تائید کے بعد آپ نے بجا طور پر تہیہ کیا کہ جس طرح حیدرآباد دوسری حیثیتوں میں ریاست ہائے ہند کی سب سے بڑی سلطنت ہے اسی طرح مسلمانان ریاست ہائے ہند کی قیادت کا حق بھی اس کو حاصل ہونا چاہئے چنانچہ آپ نے ریاستی مسلم لیگ کے قیام کا اعلان فرمایا۔ ریاست کے مظلوم مسلمانوں نے محسوس کیا کہ کوئی دوسرا نواب صاحب سے بہتر ان کی قیادت کا فرض انجام نہیں دے سکتا۔

جوق جوق لیگ کے جھنڈے تلے لوگ جمع ہونے لگے۔ ریاستی لیگ کا پہلا شاندار اجلاس مسلم لیگ لاہور کے پنڈال میں نواب صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں کم وبیش ہندوستان کی ساری ریاستوں کے نمایندوں نے شرکت کی لیگ کا دستور منظور کیا گیا۔ اور نواب بہادر یار جنگ بہادر کو بالاتفاق صدر منتخب کیا گیا۔

نواب صاحب نے بعض اہم ریاستوں مثلاً بھوپال، گوالیار، الور، پالن پور، بڑودہ، جے پور وغیرہ کا دورہ فرمایا جہاں کے مسلمانوں کے مقامی حکومت سے نفاذ اصلاحات کے سلسلہ میں شکایات پیدا ہوگئی تھیں آپ نے ان مقامات کے لیگی نظام کو مستحکم بنیادوں پر قایم فرمایا۔ مقامی مشاہیر کے باہمی اختلافات کو دور کرکے لیگی مقاصد کی پیش رفت کیلئے ان کو ایک مرکز پر جمع کر دیا۔ اور ان میں وہ صلاحیت پیدا کر دی کہ اپنی قوت عمل سے لیگی لائحہ عمل کی تکمیل کر سکیں تاکہ ان کی تنظیمی قوت خود ان کی کامیابی کی ضامن ہو۔

قائد ملت کا اہم تاریخی اقدام

یورپ میں جنگ نے بڑی شدید صورت اختیار کر لی ہے ہندوستان میں اس کے ردِ عمل کے طور پر مسلم لیگ اور کانگریس نے حکومت برطانیہ سے ہندوستان کی آیندہ قسمت کا فیصلہ کرالیا ہے۔ برطانیہ کے مشورہ سے حکومت ہند نے اختتام جنگ کے معًا بعد ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ کی عطاء

کا غیر مبہم وعدہ کرلیا ہے اس وعدہ نے ریاستہائے ہند کے مستقبل
کو معلق کردیا، جو ملک ہندوستان کا ارضی رقبہ ہونے کے باوجود سیاسی
حیثیت سے جداگانہ وحدتیں سمجھی جاتی ہیں معاہدات کی روشنی میں
حیدرآباد کی سیاسی حیثیت کی نسبت بھی حکومت ہند کے اعلان کی ضرورت
محسوس کی جانے لگی۔ کیونکہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے کے بعد
مملکت حیدرآباد کا اقتدار اعلیٰ اور اس کے مفوضہ علاقہ دوبارہ اسی
مملکت کو واپس ہونے چاہئیں جو حلیفانہ معاہدات کے تحت تاج برطانیہ
کے حوالے گئے تھے۔ سب سے پہلے مجلس اتحاد المسلمین کے پلیٹ فارم
سے نواب بہادر یار جنگ بہادر نے بمقام دارالسلام اپنے معرکۃ الآرا
خطبہ صدارت میں اس مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ اور مولوی ابوالحسن
سید علی صاحب نے اسی معنی کی ایک قرارداد پیش کی جو بالاتفاق
ایک خفیف سی ترمیم کے ساتھ منظور ہوئی۔ اس اہم سوال کے علاوہ
نواب صاحب کے خطبہ صدارت کا بہت بڑا حصہ حیدرآباد کی آئینی
حیثیت کے اہم امور پر مشتمل تھا جن کے منجملہ اعلیٰحضرت بندگانعالی کے
اقتدار اور جلالۃ الملک کے خطاب کے مسائل بھی پیش کئے گئے تھے
نواب صاحب نے مضبوط اور منطقی دلائل کے ساتھ اپنے خطبہ میں ثابت
فرمایا کہ اعلیٰحضرت بندگانعالی اس لقب کو اختیار کرنے میں کسی کی اجازت
یا منظوری کے پابند نہیں آپ نے جلسہ کے ۲۰ ہزار سامعین سے اپیل کی کہ آج
سے اعلیٰحضرت قدر قدرت کو جلالۃ الملک کے لقب سے یاد کریں۔

خطبہ صدارت نواب صاحب کی فکر و تدبر، قوت ایقان، اور جذبۂ عمل کا آئینہ تھا۔ جس نے حیدرآباد کے عوام میں بصیرت اور جوش عمل پیدا کر دیا۔ حکومتی حلقہ میں جنبش ہونے لگی۔ اغیار کی صفوں میں اضطراب نمایاں ہوا۔ اور حیدرآباد اور رزیڈنسی سے شروع کرکے دہلی اور شملہ کے دفاتر سیاسیات میں ہل چل مچ گئی اصلاحات کی کشمکش کے بعد جو نواب صاحب کے الفاظ میں، مسلمانان دکن کی راہ عمل کا سنگ میل تھا مملکت آصفیہ کی آئینی حیثیت کا تحفظ اور سیاسی اقتدار کے حصول کا عزم اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت اہم ہوگیا جس کو مجلس اب اپنا نصب العین قرار دے چکی ہے۔

مجلس اتحاد المسلمین کا پہلا دستوری سال

سنہ ۱۹۴۰ء میں نواب صاحب مجلس کے دستور جدید کے ماتحت بلا اختلاف صدر منتخب ہوئے۔ اور آپ نے حیدرآباد کے اقتدار اور معوضہ علاقوں کے استرداد کے بارہ میں حکومت ہند سے وعدہ لینے کی کارروائی شروع کردی۔ مقامی حکومت سے آپ کی گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔ مسٹر گڈنی رزیڈنٹ حیدرآباد سے ایک خصوصی ملاقات میں آپ نے وضاحت فرمائی کہ حیدرآباد بہ حیثیت حلیف برطانیہ نہ صرف اپنے مطالبات میں حق بجانب ہے بلکہ اس کی حلیفانہ خدمات مقتضی ہیں کہ دولت برطانیہ اپنے یار وفادار کی حق شناسی میں تامل نہ کرے اس

ابتدائی کوشش کے بعد مجلس کی جانب سے صدر اعظم باب حکومت کی خدمت میں ایک جامع یادداشت پیش کی گئی جس میں حیدرآباد کے مطالبات اور حقوق کا ذکر کیا گیا۔ اور حکومت سے درخواست کیگئی کہ ان کے حصول میں فوری کارروائی کاآغاز کرے۔ اس یادداشت کی حمایت میں نواب صاحب کی اپیل پر ہندوستان میں گوشہ گوشہ میں بتاریخ ۳۰ رمضان المبارک ۵۹ھ یوم حیدرآباد منایا گیا۔ حیدرآباد میں بھی بمقام مکہ مسجد شایانِ شان جلسہ منعقد ہوا اور نواب صاحب نے اپنی معرکتہ الآرا تقریر میں جو اس مجموعہ تقاریر میں شامل ہے۔ مسٹر گاندھی، پٹابھی سیتا رامیا اور پنڈت جواہرلال نہرو کے اعتراضات کا دندان شکن جواب ادا کیا۔ مفوضہ علاقوں کے استرداد کی اس کارروائی سے اغیار کی بے چینی میں اضافہ ہونے لگا۔ کانفرنس اور جلسوں میں تجاویز کے ذریعہ حالنسر بہادر کی خدمت میں درخواست کیگئی کہ حیدرآباد کے ان مطالبات پر توجہ نہ کی جائے۔ اس مخالفت نے نواب صاحب کے عزم وایقان میں اور قوت پیدا کردی۔ آپ نے حکومت کو مسلسل توجہ دلائی کہ آزادی دکن کے مسئلہ میں موثر کارروائی فوراً آغاز کیجائے۔ حکومت نے جواب ادا کیا کہ جنگ سے پہلے اور آغاز جنگ کے بعد بھی وہ تمام امور جو یادداشت میں مذکور ہیں حکومت کے پیش نظر رہے اور رہیں گے۔"

حکومت کی جانب سے اس صریح اطمینان کے بعد نواب صاحب نے مفوضہ علاقہ جات کے دورہ کا ارادہ فرمایا تاکہ حیدرآباد کے مطالبات

کی لسبت ان علاقہ جات کے باشندوں کے خیالات معلوم کئے جائیں اور حالات کا مطالعہ کیا جائے۔ چنانچہ آگسٹ ۱۹۴۷ئ میں بجواڑہ مدراس، مچھلی بندر، مرتضی نگر، کڑپہ، کرنول، وغیرہ کے دورے فرمائے ولولہ انگیز تقریریں کیں۔ مخالف اور موافق جماعتوں سے تبادلہ خیالات فرمایا۔ اور اپنے مطالبات کے مضمرات پر روشنی ڈالی سوائے ان متعصب باشندوں کے جو کانگریس کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کر رہے تھے، عام طور پر ان مقامات کی جماعتوں نے اپنے مہمان کا شایان شان خیر مقدم کیا۔ جلوس ترتیب دیئے اور حیدرآباد کے مطالبات کی صداقت کو تسلیم کیا۔ یہاں اس علاقہ کا ذکر باعث دلچسپی اور فال نیک متصور ہوگا کہ جب نواب صاحب ان علاقہ جات میں داخل ہوئے تو عام طور پر مشہور کیا گیا کہ نواب صاحب مملکت آصفیہ کی جانب سے مفوضہ علاقوں کا جائزہ حاصل کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ حیدرآباد واپس ہوکر نواب صاحب نے اتحاد المسلمین حلقہ (ب) کی کانفرنس کا افتتاح فرماتے ہوئے بڑی اہم تقریر ارشاد فرمائی جو ان مجموعہ تقاریر میں شامل ہے جس میں نواب صاحب نے حیدرآباد کی عسکری قوت اور اس کے مسائل آزادی پر تفصیلی بحث فرمائی۔

اس دوران میں حکومت کی جانب سے مجلس کی پیش کردہ یادداشت پر کوئی توجہ ہوی اور نہ مستقبل قریب میں متوجہ ہونیکا کوئی قرینہ پایا گیا۔ مجلس نے حکومت کے اس طرز عمل پر سخت نکتہ چینی کی۔ اور ایک

قرارداد کے ذریعہ موجودہ حکومت میں فوری تبدیلی کا مطالبہ کیا گیا کیونکہ کیونکہ مجلس کی پیش کردہ یادداشت پر توجہ نہ کرنیکا لازمی اور منطقی نتیجہ یہی ہے۔ کہ وزرار کابینہ کو ملت کے سیاسی اقتدار کے تحفظ اور اس کی آئینی حیثیت کے حصول کی کوئی فکر نہیں جو حیدرآباد جیسی مملکت کی فلاح کے لئے ناگزیر ہے۔

ملک کے گوشہ گوشہ میں بلا امتیاز فرقہ وملت اس قرارداد کی حمایت میں آوازیں بلند ہوئیں اور ثابت ہو گیا کہ مجلس کی آواز صرف سترہ لاکھ مسلمانوں کی نہیں بلکہ سارے ملک کی متفقہ آواز ہے۔

عوام کی تربیت اور مجلس اتحادالمسلمین کے نصب العین سے ان کو قریب تر کرنے کے لئے نواب صاحب نے تشریح یادداشت کے عنوان سے بمقام قمر باغ مسلسل دو تقریریں فرمائیں جو اس مجموعہ کی اہم تقریروں میں سے ہیں۔ ان تقاریر میں آپ نے گذشتہ اور موجودہ جنگ میں حیدرآباد کی ان بے نظیر اعانتوں کا ذکر فرمایا جو آڑے وقت میں حکومت برطانیہ کی شامل حال رہیں۔ موجودہ جنگ کے موقع پر حکومت برطانیہ کی اعانت کے بارہ میں حکومت ہند کو جو شبہات پیدا ہو گئے تھے۔ ان کو دور فرمایا۔ اور وعدہ اعانت کیساتھ حیدرآباد کے جائز مطالبات کی توضیح فرمائی کہ حیدرآباد ہرگز گوارا نہیں کرتا کہ جنگ کی وجہ سے حکومت برطانیہ کی پریشانی سے فائدہ اٹھایا جائے۔ مجلس نے اپنی یادداشت میں صرف اس امر کا مطالبہ کیا ہے کہ حیدرآباد کو مطمئن کیا جائے کہ مقبوضاتی

مرتبہ کی نسبت حکومت ہند نے جو مواعید کئے ہیں ان کے نتیجہ کے طور پر حیدرآباد کو وہ تمام علاقے مسترد کر دیئے جائیں گے جب حکومت برطانیہ خود ان علاقوں سے دستبردار ہو جائے۔

مطالبات مجلس کی اس توضیح کے ساتھ ساتھ اہل ملک کے جذبات کی ترجمانی فرماتے ہوئے حکومت حیدرآباد پر بے لاگ تنقید فرمائی کہ ملک کے ان متفقہ مطالبات کے حصول میں حکومت نے کوئی توجہ نہیں کی۔ اور اپنے ہزارہا سامعین کو آگاہ فرما دیا کہ اسلامی سلطنت کی بقا، استحکام اور توسیع کی مہم سر کرنے کے لئے وہ ہر وقت تیار رہیں اپنی طاقت، دولت اور جان عزیز تک سے بھی دریغ نہ کریں۔ سامعین نے متفق اللفظ وعدہ کیا کہ وہ اپنے قائد کے ایک اشارہ پر بڑے سے بڑے ایثار کیلئے آمادہ رہیں گے

حیدرآباد کے ان اہم مسائل میں نواب صاحب کی مصروفیت کچھ دن کے لئے ملتوی ہو گئی کیونکہ قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کے ایما سے پاکستان وفد کے ساتھ آپ کو بجانب سرحد روانہ ہونا پڑا۔

حالات زندگی پر ایک نظر

خوش باش اور دولتمند گھرانوں میں جن بچوں نے آنکھیں کھولیں زیر سایہ دولت جنہوں نے پرورش پائی۔ حیدرآباد کی فضا نے ان کو صاحب بزم تو بنا دیا۔ لیکن میدانِ رزم سے ان کا کوئی تعلق نہ رہا۔ مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت کے باعث زندگی کے تکلفات روز بروز ترقی پذیر ہوتے گئے

تا آنکہ صاحبان مقدرت عیش کوشی میں مبتلا ہوگئے اور اس طبقہ سے
علم و عمل کے محاسن بھی مفقود ہوتے گئے۔ لیکن نصیب یاور جنگ ثالث
جیسے امیر کو خدا نے ایسا فرزند عطا کیا جس نے اپنے کارناموں سے حیدرآباد
کی آئندہ تاریخ میں نہ صرف اپنے خاندان، بلکہ عہد حاضر کیلئے ایک اہم
جگہ پیدا کر دی۔ نواب بہادر یار جنگ بہادر کی شخصیت کی ہمہ گیری میں
کسکو کلام ہو سکتا ہے کہ آپ ممتاز جاگیردار، ذی مرتبت شہری۔ باکمال
سپاہی، سحر بیان مقرر، اثر آفرین انشا پرداز اور دکن کے مقبول عام قائد
ہیں۔ زمانہ طالب علمی سے نواب صاحب اپنے بے باکانہ صفات کی وجہ
سے ہمعصروں میں امام اور خطیب مانے جاتے تھے، آپ کی طبیعت میں
ولولہ و جوش، اور تفکر و تدبر کا حیرتناک امتزاج پایا جاتا ہے۔ نسلی سپاہیانہ
اوصاف کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اوصاف و کردار آپ کی خصوصیت ہے۔
باکمال بزرگوں اور ممتاز اساتذہ کی صحبت زمانہ طفولیت ہی سے آپ
کو حاصل رہی۔ گفتگو میں اخلاق کی حلاوت و شیرینی آنکھوں میں مروت
کا سحر، اور شخصی وجاہت کے تاثر کا یہ عالم ہے کہ ہر اجنبی ایک دفعہ ملکر
ہمیشہ کے لئے آپ کا گرویدہ ہو جاتا ہے گفتگو فرماتے ہیں تو اس کا ربط
و تسلسل اور انداز بیان سے تقریر کا دھوکا ہوتا ہے اور سامع اس قدر
مسحور ہو جاتا ہے کہ گھنٹوں آپ کی صحبت میں بیٹھکر نہیں تھکتا۔ فراست
میں، تدبیر میں، تدبر میں، علم میں، تجربہ میں، تقریر میں حیدرآباد کے
محدود رقبہ میں نہیں بلکہ ہندوستان کے طول و عرض میں اپنا لوہا منوایا

کسی مسئلہ پر طریقہ استدلال اس قدر دلچسپ اور طرز تفہیم ایسا پسندیدہ کہ مخاطب اپنے قلب میں انشراح اور بصیرت کے علاوہ محسوس کرنے لگے کہ ایک صاحب تدبیری ہم کلام ہے سخاوت، فیاضی، مہمان نوازی اور دردمندی کے صفات آپ کو ورثہ میں ملے ہیں۔ بیسوں بے روزگاروں کو روزگار سے لگایا۔ ان گنت بے سہارا اور غیر مستطیع طلباء کی دامے درمے، مدد فرمائی اور کتنی ہی بیواؤں کی دستگیری کی۔ حاجتمندوں کیساتھ عملی ہمدردی کی یہہ وہ ممتاز صفات ہیں جس نے بہت جلد آپ کو ملک میں ہر دلعزیز بنادیا۔ ہم حیثیتوں کی صف میں امتیاز حاصل کیا بڑھے اور اتنے بڑھے کہ آج حیدرآباد میں ہر مبتدا کی خبر، ہر ابتدا کی انتہا، ہر ضمیر کا مرجع، ایک ذات اور ہزارہا کی عزت اور ہر ایک کیلئے قبلۂ امید۔

جوں جوں خدمت خلق کا موقع ملا، خانگی مصروفیات سے کنارہ کشی اختیار کی اجتماعی اور قومی معاملات کیلئے زندگی وقف کردی۔ فجر کی نماز کے بعد درس قرآن پاک کے لئے محلہ کی مسجد بیٹھ گئے، طلوع آفتاب کے بعد تک سلسلۂ درس جاری رہا۔ ناشتہ سے فارغ ہوکر مجلس اتحاد المسلمین اور عام قومی مسائل میں صبح سے دوپہر کردی۔ ایک بجے زنانخانہ میں داخل ہوے۔ کھانے اور نماز ظہر کے بعد کچھ دیر آرام کیا۔ اور ۳½ بجے سے عام ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ دیوڑھی پر امیر غریب، اعلی ادنی سب جمع ہیں ایک ایک کو فرداً فرداً ملاقات کا

موقعہ دے رہے ہیں۔ سلام میں تقدیم عادتاً اصول مبنی اجل سرو قد استادہ ہوکر شناسائی ہو یا اجنبی ہر ایک کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم فرما رہے ہیں کسی نے اجتماعی مسائل پر بحث کی کسی نے اپنے محلہ کی تنظیمی معاملات میں رہنمائی حاصل کی۔ کسی نے سفارشی رقعے لکھوائے کسی نے اپنی مظلومیت کا اظہار کیا۔ کسی نے چندہ مانگا۔ نمایندگان جرائد نے بیان طلب کیا۔ غرض کہ ۵ اور ۵½ بجے تک اسی ہنگامے سے فراغت حاصل کر کے نماز عصر کے بعد خصوصی ملاقات کیلئے وقت معین فرمایا۔ اگر اہم اور موقتی مسائل ہیں تو بلا تعین اوقات مصروفیوں کا سلسلہ بڑی رات گئے تک جاری ہے ہر ہفتہ بعد مغرب ایک عرصہ تک پابندی کے ساتھ تاریخ اسلام کا درس دیا کرتے تھے۔ گھر اور جاگیر کے انتظامات کا سارا بوجھ بیگم صاحبہ کی ذات پر۔ ملک اور اہل ملک پر جتنا احسان نواب صاحب کا ہے بلا شبہ اس سے کہیں زیادہ اس نیک بخت اور فرشتہ خصال خاتون کا ہے جنہوں نے نواب صاحب کو خدمت خلق کیلئے گھر اور جاگیر کے انتظامات سے بے نیاز کر دیا جو نہ معلوم نواب صاحب کو قومی مصروفیات میں کس درجہ ہارج ہوتے بیگم صاحبہ نے گھر کی مصروف زندگی کے باوجود قائد ملت کے ساتھ رفاقت کا حق ادا کیا۔ آپ نے ملت اسلامیہ کے مفاد کی خاطر طبقہ نسوان کی بڑی خدمات انجام دیں۔ اپنے طبقہ میں ملت کے مسائل جدیدہ کی نشر و اشاعت فرمائی اور تقریر و تحریر کے ذریعہ خواتین میں شعور کی بیداری کا اہم فرض انجام دیا۔ جس زمانہ میں مجلس اتحاد المسلمین (۱۹۵۱) اور

کی اہلیہ کی نواب صاحب کے گراں قدر رقمی عطیات کے علاوہ بیگم صاحبہ
نے اپنا زیور تک قوم کے نذر کر دیا - اور اپنی ڈیوڑھی کا ایک ایک گوشہ
قومی ضروریات کیلئے پیش کر دیا -

اخلاص و محبت نواب صاحب کی بہت بڑی امتیازی خصوصیت
ہے جس طرح خود بندہ اخلاص و محبت ہیں اوروں سے بھی اسی درجہ
میں اخلاص کی توقع فرماتے ہیں - اکثر دفعہ نواب صاحب کی یہہ توقع
پوری نہ ہوئی اور آپ کو سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا - اس کے باوجود
آپ کی پیشانی پر شکن تک نمودار ہوئی - اور نہ مایوس کرنے والوں سے
کبھی آپ نے اظہار رنج و ملال فرمایا -

آپ کی روزافزوں مقبولیت کے باعث بعض حلقوں میں
جذبۂ رقابت پیدا ہو گیا - آپ کی قائدانہ حیثیت کو متاثر کرنے کی منظم
سازش ہونے لگی - لیکن آپ کی اخلاص مندی اور جذبۂ عمل میں
ذرہ برابر بھی فرق نہ آنے پایا - البتہ جب کبھی آپ نے محسوس کیا
کہ محض آپ کی ذات کو وجہ بنا کر ملت اسلامیہ کی مرکزیت کو صدمہ پہنچایا
جا رہا ہے تو آپ نے علی الاعلان منصب قیادت سے دست بردار
ہونے کا فیصلہ کر لیا - لیکن ملت ہی کے اصرار پر ہر مرتبہ آپ کی قیادت
مسلم تر ہوتی گئی - اس کامیابی کی بڑی وجہ یہی ہے کہ نواب صاحب
کا جذبۂ عمل نہ کسی ستائش کا محتاج ہے اور نہ آپ کو کسی صلہ کی تمنا
آپ نے قوم و ملت کی جو کچھ خدمت کی وہ کسی غرض کی پابند نہ تھی

قوم نے اگر آپ کو قائد تسلیم کیا ہے تو فی الحقیقت یہ اس کی حق شناسی ہے ورنہ یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ نواب صاحب کا جذبۂ عمل صلہ و ستایش سے بے نیاز ہے۔

تدبر کی سنجیدگی اور وسیع تجربہ نے آپ پر ملت اسلامیہ کی مرکزیت کی برکات واضح کر دیں۔ اور بہت جلد آپ نے محسوس کیا کہ محض ضمنی عقائد کی بنا پر جن کی دین میں کوئی اہمیت نہیں ہے ملت اسلامی کو گروہ اور فرقہ میں منقسم کر دینا نہ تو دینداری ہے اور نہ دانشمندی۔ عقیدہ اور عمل کی یہ استواری نواب صاحب کی زندگی میں صاف نظر آتی ہے۔ جس کے لئے دلیل کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ مجلس اتحاد المسلمین کی تشکیل اسی اساس پر عمل میں آئی۔ اور اسی اصول کو پیش نظر رکھکر مسلمانان دکن کو ایک مرکز پر جمع کر دیا گیا اور مسلمانوں کے باہمی رشتۂ مودت و اخوت کو جوڑنے میں مکان و زماں کی قیود توڑی گئیں۔ ہندوستانی اور حیدرآبادی کے امتیازات مٹا دیئے گئے اور رفتہ رفتہ ہندوستان کی وسعتیں بھی آپ کے جذبۂ عمل کی جولانگاہ بنیں۔ جو آپ کی قیادت کا سب سے بڑا کارنامہ ہے آپ کو اسی مہتم بالشان خصوصیت کا حامل پاکر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں بسلسلہ تعارف ہزارہا مسلمانوں کے آگے قائداعظم مسٹر محمد علی جناح نے آپ کی نسبت ارشاد فرمایا تھا "نواب بہادر یار جنگ بہادر جنہوں نے مسلمانان حیدرآباد کی حیرتناک طریقہ پر تنظیم کی ہے۔ مسلم لیگ

اجلاس لکھنؤ سے میرے معین و رہبر رہے ہیں"

نواب صاحب کی سب سے بڑی خصوصیت جس نے آپ کو کامیاب قائد ثابت کیا۔ وہ آپ کے عزم کا ثبات اور استقلال ہے۔ بڑی سے بڑی مصیبت کے موقعہ پر بھی آپ کبھی ہراسان نہ ہوئے۔ فرقہ وارانہ ہنگامہ کے موقعہ پر ہر خطرہ کا آپ نے مقابلہ فرمایا۔ اور خدمت عوام کے سلسلہ میں بلا امتیاز فرقہ ہر شخص کی حفاظت اور سلامتی کی آپ نے کوشش فرمائی۔

اصلاحات کی مخالفت سے پہلے اور اس کے بعد نواب صاحب پر تہیب کے متعدد دور گزرے۔ حتی کہ آپ کی گرفتاری کی افواہیں یقین کی حد کو پہنچ گئیں۔ لیکن اس قسم کی ہر چیز کو آپ نے تبسم کے ساتھ سماعت فرمایا۔ اور کسی آن بھی تردد کی علامات آپ کے چہرے سے ظاہر نہ ہوئیں۔

جس وقت سے آزادیٔ دکن کی مہم آغاز ہوئی ہے نواب صاحب کو دوگونہ مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن حق کی حمایت میں ڈپلومیسی اور مصلحت وقت کے پردے میں آپ نے کبھی اپنے اصول اور نصب العین کو مائل کے ذریعہ بدلنے کی کوشش نہ کی۔

مارچ سنہ ۱۹۴۰ئہ میں جب خاکسار تحریک پر برا وقت آن پڑا اور حدود پنجاب میں ذمہ دار عہدہ داروں کی دارو گیر شروع ہوئی تو نواب صاحب اس وقت صوبہ سرحد و کشمیر کے حاکم اعلیٰ نامزد ہوچکے تھے، مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کی غرض سے آپ کے لاہور پہنچتے ہی یقین ہوگیا تھا کہ خاکسار تحریک کے ایک ممتاز علمبردار کی حیثیت میں آپ گرفتار کرلئے جائیں گے

ایسے نازک وقت میں آپ کے مخلص بہی خواہوں اور معتمد علیہ مشیروں نے رائے دی کہ آپ یا تو اپنے عہدہ سے مستعفی ہو جائیں یا پھر لیگ کے اجلاس میں شرکت کا ارادہ ترک فرما دیں کیونکہ اگر ان بیرونی مسائل کی الجھنوں میں نواب صاحب گرفتار ہو جائیں تو نہ معلوم پھر کتنے عرصہ کیلئے حیدر آباد آپ کی خدمات سے محروم ہو جائے۔ لیکن نواب صاحب نے ایسے وقت میں جبکہ تحریک کو ایثار پسند افراد کی ضرورت ہو مستعفی ہونیکے خیال کو پسند نہ فرمایا۔ اور علانیہ خطرہ کو سامنے دیکھکر لاہور کا عزم کر لیا پھر سارے قضیہ کو اپنے ہاتھ میں لیکر۔ بڑی خوبی کے ساتھ میرٹھ کانفرنس کے انعقاد تک جانباز خاکساروں پر قابو پالیا۔

نواب صاحب میں خدمت کا جذبہ کبھی نام و نمود کی خاطر سے پیدا نہیں ہوا آپنے یہ راہ اس کے عواقب اور نتائج کو سامنے رکھکر اختیار فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا ضمیر مطمئن اور قلب حزن و ملال سے ہمیشہ پاک رہتا ہے۔ "آلا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون"

نواب صاحب اپنی ان ساری صفات کے ساتھ بذلہ گو" لطیفہ سنج اور شاعر بھی ہیں۔ احباب اور مخلصوں کی صحبت میں آپ ہی کی بذلہ گوئی محفل کی دلچسپی ہوتی ہے۔ آپ کے اشعار عموماً فی البدیھہ ہوتے ہیں اور حیرتناک تیزی کیساتھ آپ شعر کہنے پر قادر ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ انگریزی نوشت و خواند کی صلاحیت کیساتھ عربی اور فارسی زبان میں آپکو گفتگو کی محیر العقول دستگاہ حاصل ہے۔ بلاد اسلامیہ کے سفر

کے دوران میں مصر اور حجاز میں مقامی اکابر سے عربی میں اور ایران وافغانستان کے وزرا، اور غازی نادر شاہ سے فارسی میں گفتگو فرمائی۔ جس پر غازی مرحوم نے استعجاباً اپنے مصاحبین سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔ "نواب صاحب در زبان فارسی خیلے خوب گپ[1] می زنند"

علامہ حضرت اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے ایک شعر میں انسان صحیح کی صفات یوں بیان فرمائی ہیں ؎

چہ باید مرد را طبعِ بلندے، مشربِ نابے
دلے گرمے، نگاہے پاک بینے، جانِ بیتابے

نواب صاحب کی شخصیت کی ہمہ گیری بلاشبہ اسی شعر کی آرزوؤں اور تمناؤں کی صحیح تعبیر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی ذات ملت کی گرانمایہ متاع ہے۔ خدا آپ کو خدمتِ اسلام کے لئے تا دیر سلامت رکھے آمین۔

---

[1] گپ زدن۔ بامحاورہ گفتگو کرنا (اہل زبان کا محاورہ ہے)

حکما کہا کرتے ہیں کہ نوع انسانی کو جو قوت دوسرے حیوانات سے ممتاز کرتی ہے وہ قوت نطق ہے اگر یہ قوت انسانوں کو عطا نہ ہوتی تو یہ بھی دوسرے حیوانوں کی طرح ہوتا۔ اور اشرف المخلوقات ہونے کا تاج زرّی اس کے فرق شرف رکھا نہ جاتا۔ سچ بھی یہی ہے، کھانے پینے، چلنے پھرنے اور دوسرے تمام لوازم حیات میں کون ذی روح ہے جو انسانوں کے ساتھ شریک نہیں۔ فرق ہے تو یہ کہ دوسرے حیوان انسانوں کی طرح سمجھ بوجھ کر اپنا مافی الضمیر دوسروں کیلئے ظاہر نہیں کر سکتے، اور انسان جو کچھ سوچتا ہے وہ اسکے دماغ کی گہرائیوں سے قطرات کی طرح نطق پر آجاتے ہیں۔ اور وہ دوسرے ہم نوع کے لئے انھیں اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ دوسروں کے قلوب بھی اُن ہی احساسات و جذبات سے بھر جاتے ہیں جو متکلم کے قلب میں موجزن تھے۔

بہتے ہوئے دریا۔ چہکتے ہوئے پرند، سرسبز باغ اور دلفریب مناظر

یا اجڑی ہوئی پہاڑیاں۔ خطرناک مقامات اور بھیانک مناظر سے انسان بھی متاثر ہوتا ہے اور حیوان بھی، لیکن حیوان ان احساسات سے بہرہ اندوز ہونے کے بعد صرف کچھ بے ارادہ حرکات کرتا ہے جسے زیادہ سے زیادہ نرت اور رقص کہہ سکتے ہیں، کچھ غیر مفہوم آوازیں نکالتا ہے جسے آپ چاہیں تو غنا کی ایک قسم اور نغمہ کی صنف قرار دے لیں۔ لیکن انسان جس طرح مناظر اور حالات سے اپنے تاثرات کو دوسروں کیلئے پیش کرتا ہے۔ کسی دوسرے حیوان کو یہ چیز میسر نہیں۔ یہی وہ حکمت الٰہیہ ہے جس نے خودی کے احساسات سے ملکر اس ظلوم جہول کو آئین راز خداوندی بنا دیا اور اشرفیت کا تاج سروری اس کے سر پہ رکھا۔

کسی دانشمند نے فن کی تعریف یہ کی ہے کہ جذبات و احساسات کے اظہار کا نام ہے، یہ اگر بے زبان خطوط، غیر مفہوم آواز، اور حرکات کی صورت میں ہو تو اسے مصوری، موسیقی اور رقص کہتے ہیں۔ لیکن جب یہ اظہار الفاظ مفہوم کی شکل میں ہوتا ہے تو اسے شاعری یا خطابت سے تعبیر کرتے ہیں۔ شاعری اور خطابت میں صرف یہ فرق ہے کہ اگر اوزان و بحور، ردیف و قوافی کی زنجیروں میں مقید ہو تو اسے شعر کہا جاتا ہے۔ اور اگر یہ قید نہ ہوں تو خطابت ہے اسی خطابت کو "بیان" بھی کہتے ہیں۔ شعر کی حکمت آفرینی مسلّم، مگر خطابت کی وسعت و پہنائی اپنی سحر بیانی میں عدیم النظیر ہے، اور شاید اسی وجہ سے

کہا گیا ہے

ان من الشعر لحکمۃ وان من البیان لسحرا

شاعری میں حکمت ہوتی ہے، اور بیان میں سحر۔ لفظ سحر خود ایک ایسے تیز اثر کو بتاتا ہے جس کی علت پوشیدہ ہو۔ شاید تقریر کے اثر کو واضح کرنے کے لئے اس سے زیادہ موزوں لفظ ممکن نہیں۔

بیان کی کئی قسمیں ہوتی ہیں لیکن اس شاخ در شاخ اور تقسیم در تقسیم سے بچتے ہوئے میں بیان کی صرف دو قسمیں قرار دیتا ہوں۔

بیان اپنے لئے۔

بیان خدا کیلئے۔

بیان اپنے لئے۔ اس بیان میں الفاظ کی روانی، ترکیب کی چستی زور تقریر، تخیل کی بلندی، تصنع، انداز پسندیدہ، تسلسل، سب کچھ موجود ہوتا ہے مگر اس کا مقصد اپنی شخصیت کو نمایاں کرنا۔ اپنے علم وفضل کا جلوس نکالنا، اور سامعین کی نظر میں اپنے لئے مقام رفیع حاصل کرنے سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا نمونہ آپ کو درسگاہوں میں بچوں کی مشق میں ملے گا۔ اور عام زندگی میں آپ کو وہاں ملے گا جہاں کونسلوں اور اسمبلیوں کے امیدوار اپنی تمام تر کوششوں سے ووٹ مہیا کرتے میں مشغول نظر آئیں۔ یہاں انسانی مساعی، دماغی قوت علمی وسعت اور کثرت مطالعہ صرف ایک ووٹ کی قیمت بن کر رہ جاتا ہے۔

یہ جہان، جہان مکافات ہے، اس کلیہ میں استثناء بہت ہی کم پایا جاتا ہے، زور بیان کا مقصد اگر صرف اسی قدر ہو تو کچھ دنوں کیلئے لوگ فریب میں مبتلا تو ہو جاتے ہیں۔ مگر ہمیشہ کے لئے اُن کو بیوقوف نہیں بنایا جا سکتا۔ بہت جلد یہ فریب کھل جاتا ہے۔ اور لوگ ایسے صاحب بیان (مقرر) کو بازیگر۔ اور شعبدہ باز سے زیادہ کوئی درجہ دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ حق و صداقت پسندی کا چھپا ہوا جوہر قلب انسانی میں درخشان ہو جاتا ہے اور یہ راز کھل جاتا ہے کہ اس ساری محنت شاقہ اور اس سارے بیان سے مقصد دوسروں کو بیوقوف بنانا ہے کچھ اور نہیں اس کے بعد سارا طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔ اور ایسا مقرر عموماً ایک بدنام شخص اور ایک آنکھوں سے گرا ہوا بازیگر ہو کر رہ جاتا ہے۔

انسان صرف اس لئے انسان کہلاتا ہے کہ وہ دوسرے تمام حیوانوں سے زیادہ ایک قوت رکھتا ہے، اور وہ ہے قوت نطق، جب اس قوت کے استعمال میں بھی وہ حسن نیت باطنی صداقت اور خلوص عمل کا ثبوت نہ دے سکے تو اس کی انسانیت ہی مشتبہ ہو جاتی ہے مقام رفعت و سربلندی تو رہے درکنار وہ عام انسانون کی سطح پر بھی نہیں رہتا اگر ایسا شخص اعلیٰ درجہ کا مقرر، بہترین خطیب اور نغز گو شاعر ہوا بھی تو انسانی قلب میں اس کے لئے صرف اتنی ہی جگہ ہوتی ہے جتنی ایک اچھے گانے والے بلبل یا ایک عمدہ پڑھنے والے طوطے کی ہو سکتی ہے، اور

بس۔ دنیا والے اسے ایک ایسا کھلونا سمجھتے ہیں جو صرف دلچسپی کا کام دے سکتا ہے۔ بلکہ لبا اوقات لوگ اسے خوبصورت اور چمکیلا سانپ سمجھتے ہیں۔ جس کا ظاہر خوبصورت، نظر فریب اور باصرہ نواز ہے، مگر باطن زہرناک، تکلیف دہ اور موت کا پیام،

بیان کی دوسری قسم، بیان خدا کے لئے، یعنی اس کی اطاعت اور اس کی خوشنودی کے لئے۔ جس کی رحمت انسان کی تخلیق اور اس کے صاحب بیان بننے کی وجہ ہے۔

اَلرَّحمٰنُ عَلَّمَ القراٰن خلق الانسانَ، عَلَّمَہُ البَیَانَ (قرآن حکیم ۵)

ایسا بیان ہمیشہ علم صحیح اور خلوص عمل کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس بیان میں جو چیز اثر انداز ہوتی ہے وہ قوت تقریر الفاظ کی فصاحت۔ کلام کی بلاغت، ترکیبوں کی چستی، انداز بیان کی دلفریبی، اور مضامین کی بہتات نہیں ہوتی، بلکہ مقرر و صاحب بیان کی قلبی کیفیت اور ذہنی حالت متکلم کی آواز سے ملکر سامعین کے قلب و دماغ کو متاثر کر دیتی ہے۔

از دل خیزد و بر دل ریزد

قلب کی گہرائیوں سے جو بات نکلے گی۔ وہ دوسرے قلوب کی گہرائیوں تک اتر جائے گی۔ اگر اس کے ساتھ تقریر و بیان کے لوازم ظاہری بھی موجود ہوں تو اس کا نفوذ تیز تر ہو جاتا ہے۔ اور مقرر کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ سامعین کے قلوب میں گہرے نقوش نبادیتا ہے،

بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ قلوب کو برما دیتا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

سنہ ۱۹۲۲ء کے دسمبر میں گیا کانگریس کا اجلاس ہو رہا ہے، ایک جادو بیان مقرر پوری شان خطابت کے ساتھ، فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ معیار پر تقریر کر رہا ہے، مسئلہ اختلافی ہے، موافقت میں بہترین دلائل اور بیان کی انتہائی قوتیں صرف کی جا رہی ہیں۔ مجمع پر سکوت طاری ہے۔ اور ایسا سکوت کہ چہروں پر قلبی تاثرات نمایاں ہیں، لوگ ہمہ تن گوش بنے ہوئے متوجہ ہیں، مقرر اپنی کامیابی پر نازاں ہے تقریر ختم ہوتی ہے، جلسہ گاہ تعریف و توصیف کی آوازوں اور فلک شگاف تصفیق سے گونج اٹھتی ہے، ٹھیک اسی وقت ایک شخص اٹھتا ہے، ٹوٹی پھوٹی زبان، غلط تلفظ، اور غلط تر طرز بیان میں چند جملے کہتا ہے، لیکن ایسے جملے جو مقرر کے قلب کی گہرائیوں سے نکلے تھے، جن میں درد تھا، خلوص تھا۔ اور زبردست آہنگ عمل آواز منہ سے نکلتی تھی۔ اور سننے والوں کے دلوں میں بیٹھتی جاتی تھی چہروں پر ایک ایسی چمک نمایاں ہو گئی جیسی کسی قلبی کشمکش سے رہائی کے وقت ہو جاتی ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پچھلی تقریر سے لوگوں پر جو بے خودی سی طاری تھی وہ اس مخلصانہ تقریر کے ہلکے چھینٹوں سے ختم ہو گئی۔ سچ ہے،

دل سے جو بات نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے

یہ ایک مثال تھی، تاریخوں کو چھوڑیئے کہ ان میں ایسے سیکڑوں واقعات کا ذکر ہے، آپ نے خود اپنی آنکھوں سے متعدد ایسے مناظر دیکھے ہوں گے جہاں خطابت نے خلوص کے مقابلہ میں شکست کھائی ہو اب ذرا اندازہ لگائیے اس اثر ونفوذ کا جو خلوص اور خطابت دونوں مل کر پیدا کرتے ہیں۔ اگر کسی جماعت کا مخلص قائد اچھا خطیب بھی ہو تو جماعت کی شیرازہ بندی حیرتناک طریقہ پر عجلت کے ساتھ ہو جاتی ہے۔

بلدہ حیدرآباد کے ایک خالص علمی اجتماع میں، ان سطور کا لکھنے والا ایک مقالہ پڑھ رہا تھا کہ سامنے ہال کے دروازہ سے ایک جاگیردار نواب صاحب مسکراتے ہوئے داخل ہوئے۔ صورت شکل سے ایک فوجی جنرل معلوم ہوتے تھے۔ آئے اور آکر ایک طرف بیٹھ گئے، نہایت غور وفکر کے ساتھ مقالہ سنتے رہے۔ مجھے حیرت تھی کہ ایک تو جاگیردار اور نواب دوسرے فوجی اور خالص فوجی قسم کی زندگی کے مالک خشک علمی مقالہ سے اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں۔ مجھے اسی جلسہ میں تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ہیں نواب بہادر یار جنگ بہادر سحر بیان خطیب اور قوم کے درد سے بے چین جاگیردار، میں نے دور سے اُن کے چہرے کو دیکھا۔ اور بہت غور سے دیکھا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ شخص مخلص ہے اور مستقل مزاج بھی

غالباً اگست کا مہینہ تھا کہ مجھے ایک دوست کے ذریعہ نواب صاحب نے ملنے کا پیام دیا۔ ایک بجے دن کو میں پہلی مرتبہ نواب صاحب کے یہاں پہنچا، ایک میز کے سامنے نواب صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور چہرہ سے غیر معمولی تکان کے آثار نمایاں تھے، کاغذات بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ معلوم ہوا کہ نماز صبح کے بعد سے وہ بیٹھے ہوئے مسلسل کام کر رہے ہیں، اور کام کیا تھا، جاگیر کا کام نہیں۔ کوئی تصنیف و تالیف کا کام نہیں، بلکہ امت کے اجتماعی مسائل سے متعلق ایک تھکا دینے والا کام جاری تھا۔

ہم دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ گفتگو ایک ہی موضوع پر رہی، اور میں غور سے چہرہ کو دیکھتا رہا۔ اور محسوس کرتا رہا کہ گفتگو میں خلوص اور سچائی کا عنصر کتنا غالب ہے، اس گفتگو میں نواب صاحب کے خطیبانہ انداز سے میں ذرا متاثر نہ ہوا۔ لیکن اس اثر سے میں اپنے کو نہیں بچا سکا، جو ان کے عزم اور خلوص بھرے الفاظ سے پیدا ہو رہے تھے، میں محسوس کر رہا تھا کہ نواب صاحب اپنے ان تمام محاسن و معائب کے ساتھ جن کے مجموعہ کا نام انسان ہے، انتہائی درد و خلوص کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے، اور یہ چیز ایسی نہ تھی جو مجھے متاثر کئے بغیر رہتی۔

انسان بہر حال انسان ہے، اور نواب صاحب بھی کوئی فرشتہ نہیں ہیں، لیکن ان کے زور خطابت میں ان کے خلوص کی روح اس طرح طاری و ساری رہتی ہے کہ ان کو سحر البیان بنا دیتی ہے، مذکورہ پہلی ملاقات

کے بعد سفر میں اور حضر میں بھی بارہا ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا۔ بڑی بڑی طویل ملاقاتیں رہیں، اور اہم سے اہم اجتماعی مسائل پر گفتگوئیں ہوئیں، بارہا اختلاف ہوا۔ اور بارہا اتفاق، میں نے دیکھا کہ نواب صاحب اپنی کسی غلطی کو اس خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر لیتے جس کی کسی نواب سے بہت ہی کم امید کی جا سکتی ہے، اور اپنے نقائص کو اس طرح سن لیتے جیسے کوئی اپنی تعریف سن رہا ہو، ایک بار ان کی ایک تقریر کے متعلق کہا گیا کہ وہ معلومات سے خالی تھی، انھوں نے اقرار کیا کہ علمی تحقیقات نہ اُن کا کام ہے اور نہ اُن کے بس کی بات

زیر نظر تقاریر میں سے بہت ہی کم ایسی ہوں گی جنھیں میں نے خود نواب صاحب کی زبان سے نہ سنا ہو اور جن کے متعلق میں یہ نہ کہہ سکوں کہ مجمع اور سامعین تو رہے درکنار خود نواب صاحب پر تقریر کے دوران میں ایک بیخودی طاری نہ رہی ہو۔ بیان کا سحر خود ساحر پر بھی طاری ہو جائے تو اُس کا اثر دوسروں پر کیا ہو گا۔ اس کا اندازہ مشکل نہیں۔

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی مرحوم کو میں نے اپنے زمانۂ تعلیم میں کئی بار تقریر کرتے ہوئے دیکھا تھا، مولانا پر ایک وجد طاری ہوتا تھا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ سامعین پر بھی وہی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ نواب صاحب کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہے جو سوچتے ہیں وہ کہتے ہیں، خود متاثر ہوتے ہیں اور دوسرے کو متاثر کر دیتے ہیں۔

غرض یہ کہ کسی مقرر کی تقریر صرف اس وقت اثر انداز ہوتی ہے جب
لہٰ اس میں سب سے زیادہ اہم عنصر یعنی خلوص و صداقت موجود ہو۔ اور یہ عنصر
واب بہادر یار جنگ بہادر کی تقریروں میں بدرجہ اتم موجود ہے، یہی وجہ
ہے کہ نواب صاحب کی تقریریں نہایت مؤثر ہوتی ہیں۔

دوسرا اہم جزء معلومات ہیں، تقریر کرنے والا جب مجمع کے سامنے
کچھ بیان کرنے کو کھڑا ہوتا ہے تو مجمع اُس سے ایسے معلومات کا متوقع ہوتا
ہے جو تقریر کے سننے والوں کو بیان کی افادیت کا یقین دلا سکیں۔ ورنہ
بیان اپنا اثر کھو دے گا۔ کسی مسئلہ کو تشریحی طور سمجھائے بغیر آپ کسی مجمع
سے یہ اُمید نہیں کر سکتے کہ وہ آپ کی ہمنوائی کرے گا۔ ایسی تقریر کرنے
والے کے لئے لازم ہے کہ اپنی تقریر شروع کرنے سے پہلے موضوع سے
متعلق معلومات مہیا کرلے، اگر مقرر نے اپنی تقریر کیلئے یہ مسالہ مہیا نہیں کیا
تو تقریر بے نمک رہ جائیگی۔ اور لازماً بے اثر ہو جائیگی۔

نواب بہادر یار جنگ کی تقریروں میں سے اکثر وہ ہیں جو پوری
تیاری کے بعد کی گئی ہیں، آپ زیر نظر مجموعہ میں سے تشریح اصلاحات
والی تقریروں کو دیکھئے۔ آپ کو صاف نظر آئے گا کہ مقرر نے ان تقریروں
کیلئے پہلے سے کتنی گرانقدر معلومات اپنے دماغ میں وسیع مطالعہ کے ذریعہ
اکٹھا کر رکھی تھیں۔ اور کس طرح کتابوں اور کاغذات کی گہرائیوں سے
موتی مہیا کئے گئے تھے، اس طرح کے معلومات جب مجمع کے سامنے پیش
کئے گئے تو سننے والوں کو اس مسئلہ سے متعلق بہت سی چیزوں کے سوچنے

اور سمجھنے کا موقع مل گیا۔

تقریر کے اس جزو کا مہیا کرنا بڑا کام ہوتا ہے اور غالباً مقرر کیلئے سب سے زیادہ محنت طلب بھی۔ اکثر مقررین الفاظ کی چستی، مضمون کا تسلسل اور بیان کی روانی پر بھروسہ کرکے اس اہم عنصر کو چھوڑ جاتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تقریر عامیانہ ہوجاتی ہے اور موقتی طور پر دلچسپ ہونیکے باوجود اس قابل نہیں رہتی کہ سننے والوں کیلئے مفید بھی ہو۔ ایسی تقریریں محض تفریحی ہوتی ہیں۔

تقریر کا تیسرا عنصر بیان کی ترتیب ہے۔ ترتیب کو تقریر میں ہی اہمیت حاصل ہے جو سنگھار کو ایک جوہر کا سنگھار جاذب نظر نہیں ہو سکتا سنگھار کا کمال یہ ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ پر اور ترتیب سے ہو۔ چاہے یہ سنگھار کسی پیکر حسن وجمال کا ہو۔ یا کسی باغ، مکان یا دوکان کا، ایک ایسے باغ کا تصور فرمائیے۔ جس میں رنگا رنگ کے پھول تو موجود ہوں مگر ترتیب نہ پائی جائے۔ اسے گلشن نہیں بلکہ گلبن پھولوں کا جنگل کہا جائے گا۔ اور دیکھنے والوں کے لئے وہ اثر ونظر فریبی اس میں موجود نہ ہوگی جو کسی آراستہ وپیراستہ باغ میں ہوتی ہے۔

نواب بہادر یار جنگ بہادر کی تقریروں میں ترتیب وتسلسل کا عنصر بہت نمایاں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ تشریح اصلاحات تشریح یادداشت، اور دارالسلام کے خطبۂ صدارت کو دیکھئے۔ کتنا مربوط

اور کس قدر مرتب بیان ہے ۔ اگر آج اس کی ترتیب ختم کر دی جائے تو افادیت کا بڑا حصہ اسی کے ساتھ ختم ہو جائے گا ۔ یہ چیز نواب صاحب کو دوسرے اور بہت سے مقررین سے نمایاں طور پر ممتاز کرتی ہے ،

انسانی دماغ مقدمات اور اس کے بعد نتائج کے سمجھنے کا عادی ہے ۔ اگر کوئی پہلے نتائج اور اس کے بعد مقدمات بیان کرے تو ایسا بیان دلنشین نہیں ہو سکتا ۔ یہی وجہ ہے کہ ترتیب کا اثر مضامین کی دلنشینی پر بہت زیادہ ہوتا ہے ۔ ایک مصنف کیلئے بھی ترتیب بہت اہم چیز ہے مگر مقرر کیلئے اس کی اہمیت مصنف سے زیادہ ہے ۔ مصنف کی غلط ترتیب مطالعہ میں الجھن پیدا کرتی ہے ۔ لیکن مطالعہ کرنے والے کیلئے یہ راستہ کھلا رکھتی ہے کہ دوبارہ کتاب کو دیکھکر اجزاء مضمون کو اپنے دماغ میں مرتب کرے ۔ تقریر میں یہ بھی ممکن نہیں ہوتا ۔ سامنے بیٹھے ہوئے مجمع کو اس کا موقع نہیں مل سکتا کہ وہ اپنے لئے خود ترتیب قایم کرے ۔

اس کے بعد تقریر میں الفاظ کی بندش ، تشبیہ ، استعارات ، انداز بیان آواز کا تناسب ، تکرار و تاکید خود مقرر کے چشم و ابرو کے اشارے انگلیوں کی حرکت اور جملوں کی بلاغت وغیرہ بھی اثر انداز عناصر ہیں ، اور نواب بہادر یار جنگ بہادر ان امور کیلئے اردو بولنے والے مقررین میں تقریباً عدیم النظیر مقرر سمجھے جاتے ہیں ۔

اس چھوٹے سے مضمون میں ان تمام اجزا کی تشریح اور نواب صاحب کی تقریروں سے نمونے پیش کرکے ان کی توضیح ممکن نہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ناظرین کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہر شخص ان خصوصیات کو نواب صاحب کی تقریروں میں بغیر تلاش کئے پا سکتا ہے

آخر میں میں آپ سے رخصت ہوتے ہوئے، ان ساری تقریروں کا جن کا مجموعہ آپ کے سامنے ہے۔ مقصد اولین بتا دینا چاہتا ہوں اور وہ مقصد اتحاد المسلمین یعنی مسلمانوں کی مضبوط شیرازہ بندی ہے اور خود نواب صاحب کی ذات بھی مسلمانوں کے لئے صرف اس وقت تک مفید رہ سکتی ہے۔ جب تک کہ وہ لسان الامت، یعنی امت اسلامیہ کی زبان ہیں۔

اللهم وفقه بالخير ومتعنا بطول بقائه

عبدالقدوس ہاشمی

ندوی